ایمان

مرکزی سیرت کمیٹی پٹی ضلع لاہور کا آرگن

5 November 1939.

انقلاب ہند اور مسلمان

از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مدظلہ

قاضی عبدالمجید قریشی سکرٹری سیرت کمیٹی پٹی، ضلع لاہور

دس سال کا قرآنی علم دس گھنٹوں میں

تفسیر المنار کا خلاصہ — شاہانِ اسلام کی سفارش — آٹھ آنہ میں کلید قرآن

مصر کے سب سے بڑے مفسر علامہ امام السید رشید رضا نے دس لیکچروں میں قرآنی تعلیم کا عطر نکال کر جمع کر دیا ہے۔ سلطان ابن سعود فرماتے ہیں کہ اس کتاب نے اللہ کی حجت کو اللہ کے بندوں پر پورا کر دیا ہے۔ تاجدار یمن فرماتے ہیں کہ یہ کتاب بے مثال ہے اور دلوں کو خوشیوں سے بھر دینے والی ہے۔ ایک مصری فاضل نے لکھا ہے کہ میں نے دس سال کی محنت اور تحقیق سے قرآن پاک کا مطالعہ کیا تھا۔ لیکن اگر یہ کتاب مجھے مل جاتی تو میری زندگی کے یہ دس سال بچ جاتے۔ قرآن عظیم نے دنیا کے دینی، مالی، جنگی اور سیاسی نظاموں میں جو اہم اور عظیم اصلاحات کی ہیں ان لیکچروں میں ان سب پر نہایت دلکش بحث کی گئی ہے آپ ان لیکچروں کا مطالعہ کر کے علوم قرآن کے وارث بن سکتے ہیں کل ڈھائی سو صفحے کی پانچ جلدیں ہیں صرف آٹھ آنے بھیج کر انہیں حاصل کر لیں وی پی نہیں کیا جاتا۔

خدمتِ قرآن کا ایک انقلابی پروگرام

تمام ہندوستان قرآنی سکول بن گیا ——— آٹھ آنے میں ۳۶۵ درسِ قرآن

ہم آپ کو آٹھ آنے سالانہ میں، چونسٹھ چونسٹھ صفحے کے ۱۲ ماہوار رسائل بھیجیں گے۔ ہر رسالہ میں ۳۰ درسِ قرآن ہونگے ہر درس دو صفحے کا۔ آسان تقریری شکل میں ہر درس میں اوپر ایک آیت ہوگی اور نیچے صرف دو صفحوں میں اس کا ترجمہ اور تشریح۔ آپ گھر میں ایک وقت مقرر کر دیں کہ اس وقت گھر کا کوئی ممبر غیر حاضر نہ ہو۔ ایک جگہ فرش بچھا کر ہر روز ماں، بچے، بہن، بھائی سب حلقہ بنا کر بیٹھ جائیں اور آپ صرف چار منٹ میں انہیں روزانہ ایک درس پڑھ کر سنا دیا کریں جس دن باپ نہ ہو بیٹا مسند ہدایت پر بیٹھے اور ایک درس پڑھ کر سنا دے۔ ہر مسجد، ہر زنانہ اور مردانہ سکول اور اسلامی گھر میں روزانہ ایک ایک آیت کا ترجمہ سکھانے کا سسٹم شروع کر دیا جائے۔ صرف آٹھ آنے بھیجکر رسالہ درسِ قرآن جاری کرائیں اور ثواب دارین حاصل کریں۔ (سکرٹری سیرت کمیٹی پٹی۔ ضلع لاہور)

Secretary,

Seerit Committee Patti (*Distt: Lahore*)

کھُلی چٹھی

کیا آپ چاہتے ہیں کہ اسلام سرفراز ہو؟ مسلمان، عزت اور اقبال کے مالک و وارث ہوں اور "آزاد ہندوستان میں آزاد اسلام" کا تخیل عمل کے لباس میں جلوہ گر ہو جائے؟ اگر ان سوالوں کا جواب اثبات میں ہے تو آپ براہ کرم صرف اتنا کام کیجئے کہ اس کتاب کو نہایت ہی فرصت اور تسلی کے ساتھ کم ازکم دو مرتبہ ضرور مطالعہ فرمالیں۔ اس سے ہندوستان کے موجودہ انقلاب اور اسلامی زندگی کی تمام حقیقتیں آپ پر سورج کی طرح روشن ہو جائینگی

عمل کا دوسرا قدم یہ ہے کہ آپ اپنے شہر اور علاقہ میں اس عظیم الشان اور بے مثل کتاب کو مفت تقسیم کرائیں۔ **ایک روپیہ بھیجکر ۱۶ کتابیں طلب کریں۔**

پتہ:۔ سیرت کمیٹی پٹی، ضلع لاہور

فہرست مضامین

ہندوستان میں اسلام کی پوزیشن .. .. ۳ — پہلا دَور ۴
دوسرا دَور .. .. ۶ — تیسرا دَور ۷
چوتھا دَور .. .. ۹ — پانچواں دَور ۱۱
مسلمانوں کی اندرونی کمزوریاں .. .. ۱۶ — مسلمانوں کا نصب العین ۲۸
اسلامی نصب العین کے حصول کا طریق ۳۴
حصول آزادی کے لئے رسول اللہؐ کا طریق عمل ۴۷
تنظیم ملت کا پروگرام ۶۰

آٹھ آنے میں ۳۶۵ درس قرآن

مرکزی سیرت کمیٹی پٹی نے ملک کے سامنے خدمت قرآن کی ایک بے مثال اسکیم پیش کی ہے جس کے مطابق ۱۵ ہزار مسلمان اپنی اپنی مسجدوں اور سکولوں اور گھروالوں کو روزانہ ایک ایک قرآنی آیت کا ترجمہ اور تشریح سکھا رہے ہیں۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہر روز اپنے اہل و عیال کو جمع کرکے انہیں ایک ایک آیت کا ترجمہ سکھانا شروع کردے۔ رسالہ درس قرآن کی قیمت آٹھ آنے سالانہ ہے۔ اس رقم میں سال کے ۳۶۵ دنوں کے بنے بنائے کل ۳۶۵ درس قرآن بھیجے جاتے ہیں، ہر درس قرآن دو صفحے کا ہے۔ اُردو اس قدر آسان ہے کہ بچے بھی سمجھتے ہیں۔ آپ آج ہی آٹھ آنے بھیجکر رسالہ درس قرآن کے خریدار بن جائیے۔ سیرت کمیٹی اس اسکیم کو دو سو روپیہ ماہوار کے خسارہ سے چلا رہی ہے تاکہ کوئی غریب سے غریب مسلمان بھی تعلیم قرآن سے محروم نہ رہ جائے۔ (سکرٹری سیرت کمیٹی پٹی، ضلع لاہور)

صنعت وحرفت پر بےمثال کتاب

اس کتاب کی ضخامت ۳۲۶ صفحے ہے اور اس میں صنعتی اور تجارتی علوم وفنون کے ۱۱۲۵ سے زیادہ نسخے اور صحیح ترکیبیں درج ہیں۔ حصہ اول میں مصنوعی دھاتیں بنانا، موتی دھونا، دھاتوں کو صاف کرنا۔ مختلف قسم کی سیاہیاں اور آتشبازی بنانا، رنگسازی لاکھ، عطریات، صابون اور علاج امراض کے صدہا نسخے درج ہیں۔ حصہ دوم میں جواہرات سوت اور ریشم کی رنگائی، چربی، موم، ہاتھی دانت اور روشنائیوں وغیرہ کے متعلق بڑی تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ قیمت سوا روپیہ فی جلد۔

(سکرٹری سیرت کمیٹی پٹی، ضلع لاہور)

ہندوستان میں اسلام کی پوزیشن!

مختلف تاریخی دوروں میں مسلمانوں کی زندگی کا صحیح نقشہ

ہندوستان میں تیزی کے ساتھ ایک نیا انقلاب آرہا ہے جو بلحاظ اپنے اثرات اور اپنے نتائج کے ۱۸۵۷ء کے انقلاب سے بھی زیادہ شدید ہوگا۔ پھر اس سے بہت زیادہ بڑے پیمانہ پر ایک دوسرے انقلاب کا سامان تمام دنیا میں ہو رہا ہے اور بہت ممکن ہے کہ یہ وسیع تر انقلاب ہندوستان پر اثر انداز ہو کر یہاں کے متوقع انقلاب کا رخ اچانک پھیر دے اور اس کو ہماری توقعات سے بہت زیادہ پُرخطر بنا کر چھوڑ دے۔

آئندہ کا ہولناک تصور

جو لوگ خس و خاشاک کی طرح ہر رَو پر بہنے کے لئے تیار ہیں اور جنکو خدا نے اتنی سمجھ بوجھ بھی نہیں دی ہے کہ اپنے لئے زندگی کا کوئی راستہ مقرر کر سکیں ان کا ذکر تو قطعاً فضول ہے انہیں غفلت میں پڑا رہنے دیجئے، زمانہ کا سیلاب جس رُخ پر بھی بہے گا وہ آپ سے آپ اسی رُخ پر بہ جائیں گے۔ اسی طرح وطن پرستوں سے بھی قطع نظر کیجئے جو آنیوالی انقلابی قوتوں پر سمجھ بوجھ کر ایمان لائے ہیں اور بالارادہ اسی رُخ پر جانا چاہتے ہیں جس پر زمانہ کا طوفانی دریا جا رہا ہے۔ اب صرف وہ لوگ رہ جاتے ہیں جو مسلمان ہیں، مسلمان رہنا چاہتے ہیں، مسلمان مرنا چاہتے ہیں اور یہ تمنا رکھتے ہیں کہ ہندوستان میں اسلامی تہذیب رہے اور ہماری آیندہ نسلیں محمد عربی صلعم کی بتائی ہوئی راہ راست پر قائم رہیں۔ ان لوگوں کیلئے یہ وقت بے فکری و بے پروائی سے گذار دینے کا نہیں بلکہ گہری سوچ اور غایت درجہ کے غور و فکر کا ہے۔ وہ اگر اس نازک وقت میں غفلت اور بے پروائی سے کام لیں گے تو ایک جرم عظیم کا ارتکاب کریں گے اور اس جرم کی سزا صرف آخرت ہی میں نہ پائینگی بلکہ اسی دنیا کی زندگی میں ان پر چھا جائیگی۔ زمانے کا سیلاب ہماری آنکھوں کے

سامنے تہذیب اسلامی کے ایک ایک نشان کو مٹائیگا اور وہ بے بسی کے ساتھ اس کو دیکھا کرینگے زمانہ ان کے قومی وجود کو ملیا میٹ کرے گا۔ ایک ایک کرکے ان تمام امتیازی حدود کو ڈھائیگا جن سے کہ اسلام، غیر اسلام سے متمیز ہوتا ہے اور ہر اس خصوصیت کو فنا کردیگا جس پر کہ مسلمان دنیا پر فخر کرتا رہا ہے، وہ یہ سب کچھ دیکھیں گے اور کچھ نہ کرسکیں گے۔ ان کی آنکھیں خود اپنے گھروں میں اپنی نوخیز نسلوں کو خداپرستی سے دور، اسلامی تہذیب سے بیگانہ اور اسلامی اخلاق سے عاری دیکھیں گی، اور آنسو تک نہ بہا سکیں گی۔ ان کی اپنی اولاد اس فوج کا سپاہی بن کر اٹھے گی جسے اسلام اور اس کی تہذیب کے خلاف صف آراء کیا جائیگا۔ وہ اپنے جگر گوشوں کے ہاتھ سے تیر کھائیں گے اور جواب میں کوئی تیر نہ چلا سکیں گے۔

یہ انجام یقینی ہے۔ اگر کام کے وقت کو غفلت میں کھو دیا گیا۔ انقلاب کا عمل شروع ہو چکا ہے۔ اس کے آثار نمایاں ہوچکے ہیں اور اب فکر و عمل کیلئے بہت ہی تھوڑا وقت باقی ہے

پہلا دور۔ ہندوستان میں اسلام کی بنیاد کیسی تھی؟

اسلامی ہند کی تاریخ پر جو لوگ نظر رکھتے ہیں، ان سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اس ملک میں اسلامی تہذیب کی بنیاد ابتدا ہی سے کمزور رہی ہے۔ صحابہ کرام کے بعد اسلامی خلفاء کے زمانوں میں اسلامی سیلاب کی جو لہریں ہندوستان تک پہنچیں، وہ زیادہ تر خس و خاشاک اور کثافتیں لے کر آئیں، اس لئے کہ اس زمانہ میں ہندوستان، دارالاسلام کی آخری سرحدوں پر تھا اور وہ سب لوگ جو اسلام کے مرکزی اقتدار یا اصولی عقائد کے خلاف بغاوت کرتے تھے عموماً بھاگ کر اسی طرف آجاتے ہیں چنانچہ سندھ اور کاٹھیاواڑ گجرات وغیرہ ساحلی علاقوں میں جو گمراہیاں آجتک پائی جاتی ہیں وہ اسی زمانہ کی یادگار ہیں۔ اس کے بعد چھٹی صدی ہجری میں جب مسلمان فاتحین نے ہندوستان کا رخ کیا تو وہ خود بھی کثافتوں اور بدعتوں سے بہت کچھ آلودہ تھے۔ امراء میں روح جہاد اور علماء میں روح اجتہاد سرد ہوچکی

تھی۔ ہمارے حکمران زیادہ تر وہ لوگ تھے جن کو خراج اور توسیع مملکت کی فکر تھی اور ہمارے مذہبی پیشواؤں میں اکثریت ان حضرات کی تھی جن کی زندگی کا مقصد حکومت کے عہدے حاصل کرنا اور ہر قیمت پر اپنے مذہبی اقتدار کی حفاظت کرنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نہ یہاں صحیح معنوں میں کبھی اسلامی حکومت قائم ہوئی، نہ حکومت نے پوری طرح وہ فرائض انجام دیئے جو شرعاً اس پر عائد ہوتے تھے، نہ اسلامی علوم کی تعلیم کا کوئی صحیح نظام قائم ہوا، نہ اشاعت اسلام کی کوئی خاص کوشش کی گئی، نہ اسلامی تہذیب کی ترویج اور اس کے حدود کی نگہداشت جیسی ہونی چاہئے ویسی ہو سکی۔ علماء اور صوفیاء کے ایک مختصر گروہ نے بلاشبہ نہایت زریں خدمات انجام دیں اور انہی کی برکت ہے کہ آج ہندوستان کے مسلمانوں میں کچھ علم دین اور کچھ اتباع شریعت پایا جاتا ہے لیکن ایک قلیل گروہ ایسی حالت میں کیا کر سکتا تھا جبکہ قوم کے عوام جاہل اور ان کے سردار اپنے فرائض سے غافل ہوں؟

اسلام کی عام کشش سے متاثر ہو کر ہندوستان کے کروڑوں آدمی مسلمان ہو گئے مگر اسلامی اصول پر ان کی تعلیم و تربیت کا کوئی انتظام نہ کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس ملک کی اسلامی آبادی کا بڑا حصہ ان تمام مشرکانہ اور جاہلانہ رسوم و عقائد میں گرفتار رہا جو اسلام قبول کرنے سے پہلے ان میں رائج تھے۔

جو مسلمان باہر سے آئے تھے، ان کی حالت بھی ہندوستانی نومسلموں سے کچھ زیادہ بہتر نہ تھی۔ ان پر عجمیت پہلے ہی غالب ہو چکی تھی، نفس اور عیش پسندی کا گہرا رنگ ان پر چڑھ چکا تھا۔ اسلامی تعلیم و تربیت سے وہ خود پوری طرح بہرہ ور نہ تھے، زیادہ تر دنیا ان کی مطلوب تھی، خالص دینی جذبہ ان میں سے بہت کم، بہت ہی کم لوگوں میں تھا، وہ یہاں آکر بہت جلدی عام باشندوں میں گھل مل گئے کچھ ان کو متاثر کیا اور کچھ ان سے متاثر ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں مسلمانوں کا تمدن اسلامیت، عجمیت، ہندیت کی

ایک معجون مرکب بن کر رہ گیا۔

عام طور پر جو طرز تعلیم یہاں رائج ہوا وہ اسی ڈھنگ کا تھا جسے انگریزوں نے بعد میں اختیار کیا۔ اس کا بنیادی مقصد حکومت کی خدمات کیلئے لوگوں کو تیار کرنا تھا۔ قرآن اور حدیث کے علوم جن پر اسلامی تہذیب کی بنیاد قائم ہے۔ یہاں کے نظام تعلیمی میں بہت ہی کم جگہ پا سکے۔ پھر یہاں کا طرز حکومت بھی قریب قریب اسی ڈھنگ کا رہا جس کی تقلید بعد میں انگریزوں نے کی۔ بلکہ اپنی قومی تہذیب کی حفاظت اور ترویج اور اس کے حدود کی نگہداشت کا جتنا خیال انگریزوں نے رکھا ہے، اتنا بھی مسلمان حکمرانوں نے نہ رکھا خصوصیت کے ساتھ مغل فرمانرواؤں نے اس باب میں جس سہل انگاری سے کام لیا ہے اس کی مثال تو شاید دنیا کی کسی حکمران قوم میں نہ مل سکیگی۔ ظاہر ہے کہ جس قوم کی تعلیم اور سیاست دونوں اپنی قومی تہذیب کی حفاظت سے دستکش ہو جائیں، اسکو زوال سے کوئی قوت نہیں بچاسکتی

دوسرا دور۔ زوال سلطنت کے وقت مسلمانوں کی حالت

گیارھویں صدی ہجری میں مسلمانان ہندوستان کا زوال اپنی آخری حدوں پر پہنچ چکا تھا مگر اورنگ زیب کی طاقتور شخصیت اس کو روکے ہوئی تھی۔ بارھویں صدی کی ابتداء میں جب قصر اسلامی کا آخری محافظ بھی دنیا سے رخصت ہوا تو وہ تمام کمزوریاں یکایک نمودار ہوگئیں جو اندر ہی اندر صدیوں سے پرورش پا رہی تھیں۔ تعلیم و تربیت کی خرابی اور قومی اخلاق کے بگاڑ اور نظام اجتماعی کے انتشار کا پہلا نتیجہ سیاسی زوال کی صورت میں ظاہر ہوا۔ مسلمانوں کی سیاسی جمعیت کا شیرازہ دفعتہً درہم برہم ہوگیا۔ قومی اور اجتماعی مفاد کا تصور ان کے دماغوں سے نکل گیا۔ انفرادیت اور خود غرضی پوری طرح ان پر مسلط ہوگئی۔ ان میں ہزاروں درہزار خائن اور غدار پیدا ہوئے جن کا ایمان کسی نہ کسی قیمت پر خریدا جا سکتا تھا اور جو اپنے ذاتی فائدہ کے لئے بڑے سے بڑے قومی مفاد کو بے تکلف بیچ سکتے تھے۔ ان میں لاکھوں بندگان شکم پیدا

ہوتے جن سے ہر دشمن اسلام تھوڑی سی رشوت یا حقیر سی تنخواہ دے کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہر قسم کی بد سے بدتر خدمت لے سکتا تھا۔ مسلمانوں کے حصہ کثیر سے قومی غیرت اور خودداری اس طرح مٹ گئی کہ دلوں میں اس کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ وہ دشمنوں کی غلامی پر فخر کرنے لگے۔ غیروں کے بخشے ہوئے خطابوں اور عہدوں میں ان کو عزت محسوس ہونے لگی۔ دین اور ملت کے نام پر جب کبھی ان سے اپیل کی گئی، تو وہ پتھروں سے ٹکرا کر واپس آئی اور جب کوئی حامی دین و ملت، اقتدار قومی کے گرتے ہوئے محل کو سنبھالنے اٹھا، تو اس کا سر خود اسکی اپنی قوم کے بہادروں نے کاٹ کر دشمنوں کے سامنے پیش کر دیا۔

اس طرح ڈیڑھ صدی کے اندر اسلام کا سیاسی اقتدار ہندوستان کی سرزمین میں بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا گیا اور سیاسی اقتدار مٹتے ہی یہ قوم، افلاس، غلامی، جہالت اور بد اخلاقی میں مبتلا ہو گئی۔

تیسرا دور۔ غدر کے بعد زوال کی تکمیل

۱۸۵۷ء کا ہنگامہ، دراصل سیاسی انقلاب کی تکمیل اور ایک دوسرے انقلاب کی تمہید تھا۔ جن کمزوریوں نے مسلمانوں سے پہلے سیاسی اقتدار چھینا تھا، وہ سب پوری طرح موجود تھیں اور ان پر مزید کمزوریوں کا اضافہ ہو رہا تھا۔ ان کے اندر اسلامی تہذیب کی بنیاد پہلے سے کمزور تھی۔ اس کمزوری نے جب حکومت کی کرسی سے ان کو ہٹا دیا، اور افلاس و غلامی کی دوہری مصیبت میں وہ گرفتار ہوئے تو ان میں دوسری اور کمزوریاں بھی پیدا ہو گئیں۔

دین اور اخلاق اور تہذیب اور تمدن، یہ سب چیزیں بلند تر انسانیت سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کی قدر و عزت وہی لوگ کر سکتے ہیں جو حیوانیت سے بالاتر ہوں۔ پیٹ اور روٹی اور کپڑا اور آسائش بدن اور لذات نفس وہ چیزیں ہیں جو انسان کی حیوانی ضروریات سے تعلق رکھتی ہیں اور جب انسان مقام حیوانی سے قریب تر ہوتا ہے تو اس کی نگاہ میں یہی

چیزیں زیادہ اہم ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ وہ ان کی خاطر بلند تر انسانیت کی ہر ایک دولت کو نہ صرف قربان کر دیتا ہے بلکہ حیوانی پستی کی آخری حدوں پر پہنچ کر اس میں یہ احساس باقی نہیں رہتا کہ میرے لئے ان چیزوں سے اعلیٰ اور ارفع بھی کوئی چیز ہو سکتی ہے۔ ہندوستان کا مسلمان جب اپنا سیاسی اقتدار کھو رہا تھا، اس زمانہ میں اسکی انسانیت پر حیوانیت غالب آ چکی تھی، مگر انسانیت بالکل فنا نہیں ہوئی تھی، اس لئے وہ پیٹ اور بدن پر انسانیت کی گراں قدر متاعوں کو قربان تو کر رہا تھا مگر اس حال میں اسے اتنا احساس ضرور تھا کہ یہ متاعیں گراں قدر ہیں اور کسی نہ کسی طرح ان کی بھی حفاظت کرنی چاہئے لیکن جب وہ سیاسی اقتدار کھو چکا تو افلاس نے پیٹ اور بدن کے سوال کو ہر گنا زیادہ اہم بنا دیا اور غلامی نے خود داری اور غیرت کے تمام احساسات کو مٹانا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسکی انسانیت روز بروز پست ہوتی چلی گئی اور حیوانیت کا اثر بڑھتا اور چڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ ابھی ایک صدی بھی پوری نہیں گزری ہے اور یہ حال ہو گیا ہے کہ مسلمانوں کی ہر نسل پہلی نسل سے زیادہ نفس پرست اور بندۂ شکم اور آسائش بدن کی غلام بن کر اٹھ رہی ہے۔ ستر برس پہلے وہ مغربی تعلیم کی طرف یہ کہہ کر گئے تھے کہ ہم صرف اپنی حیوانی ضروریات پوری کرنے کے لئے ادھر جا رہے ہیں، ورنہ اپنے دین واخلاق اور اپنی قومی تہذیب وتمدن کو ہم کھونا نہیں چاہتے اور واقعہ بھی یہ تھا کہ اس وقت تک یہ چیزیں ان کی نگاہ میں کافی اہمیت رکھتی تھیں اور وہ نئی کمزوریاں جنہوں نے ان کو حکومت کے منصب سے ہٹایا، ان میں پہلے سے موجود تھیں اور وہ نئی کمزوریاں جو غلامی وافلاس کی حالت میں فطرةً پیدا ہوتی ہیں، ان کے اندر تیزی سے پیدا ہو رہی تھیں۔ ان دونوں قسم کی کمزوریوں کی بدولت **ایک طرف** دین واخلاق کی اہمیت اور قومی تہذیب وتمدن کی قدر وعزت روز بروز ان میں کم ہوتی چلی گئی۔ **دوسری طرف** خود غرضی اور نفسانیت کے روز افزوں غلبہ نے ان کو ہر اس شخص کی غلامی پر آمادہ کر دیا جو ان کو کچھ مال اور جاہ اور اپنے

ہم جنسوں میں کچھ سربلندی عطا کر سکتا ہو، خواہ ان چیزوں کے بدلہ میں وہ انسانیت کے
جس گوہر بیش بہا کو بھی چاہے، اُن سے خرید لے۔ تیسری طرف انفرادیت اور خود پرستی
جو ڈھائی سو برس سے ان کی قومیت کو گھن کی طرح لگی ہوئی ہے، انتہائی حد کو پہنچ گئی
یہاں تک کہ اجتماعی عمل کی کوئی صلاحیت ان میں باقی نہیں رہی اور وہ تمام صفات ان سے
نکل گئیں جن کی بدولت ایک قوم کے افراد اپنے قومی مفاد کی حفاظت اور اپنے قومی
وجود کی حمایت کے لئے مجتمع ہو سکتے اور مشترک جدوجہد کر سکتے ہیں۔

چوتھا دور۔ انگریزی دور میں اسلام

جس روز سے انگریزی سلطنت نے ہندوستان میں قدم رکھا ہے، اُسی روز سے اسکی
یہ مستقل پالیسی رہی ہے کہ مسلمانوں کا زور توڑا جائے۔ اسی غرض کے لئے اسلامی ریاستوں
کو مٹایا گیا اور اس نظام عدل وقانون کو بدلا گیا جو صدیوں سے یہاں قائم تھا۔ اسی غرض کے
لئے انتظام مملکت کے قریب قریب ہر شعبے میں ایسی تدبیریں اختیار کی گئیں جن کا انجام یہ
تھا کہ مسلمانوں کو ملی اور معاشی حیثیت سے تباہ وبرباد کر دیا جائے اور ان پر رزق کے
دروازے بند کر دیئے جائیں۔ گذشتہ ڈیڑھ دو سو سال کے اندر اس پالیسی کے جو نتائج
ظاہر ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں کہ جو قوم کبھی اس ملک کے خزانوں کی مالک تھی، وہ اب روٹیوں
کی محتاج ہو چکی ہے، اس کو روزی کے ذرائع سے ایک ایک کرکے محروم کر دیا گیا ہے اور اب
اس کی ۹۰ فیصدی آبادی غیر مسلم سرمایہ دار کی معاشی غلامی میں مبتلا ہے۔ ساہوکار سے
برٹش امپریلزم کا مستقل اتحاد ہے اور برطانوی نظام عدالت اس کے لئے وہی خدمت انجام
دے رہا ہے جو سودخوار پٹھان کے لئے اس کا ڈنڈا انجام دیتا ہے۔

سیاسی اقتدار سے محروم ہونے کے بعد مسلمانوں میں جاہ اور عزت کی بھوک پیدا ہوئی
اور اب معاشی وسائل سے محروم ہونے کے بعد روٹی کی بھوک۔ ان دونوں چیزوں کے حصول

کا دروازہ صرف ایک ہی رکھا گیا اور وہ مغربی تعلیم کا دروازہ تھا۔ روٹی اور عزت کے بھوکے لاکھوں کی تعداد میں ادھر لپکے۔ وہاں ہاتف غیب نے پکار کر کہا کہ آج روٹی اور عزت مسلمان کے لئے نہیں ہے۔ یہ چیزیں اگر چاہتے ہو تو نا مسلمان بن کر آؤ۔ اپنے دل کو، اپنے دماغ کو، اپنے دین اور اخلاق کو، اپنی تہذیب اور آداب کو، اپنے اصول حیات اور طرز معاشرت کو، اپنی غیرت اور خودداری کو قربان کرو، تب روٹی کے چند ٹکڑے اور عزت کے چند کھلونے تم کو دیئے جائیں گے۔ انہوں نے خیال کیا کہ بہت ہی سستے داموں بہت ہی قیمتی چیز مل رہی ہے۔ بیچو اس پرانے کباڑ خانے کو۔ یہ چیزیں جو روٹی اور خطاب و منصب جیسی بیش بہا چیزوں کے معاوضے میں مانگی جا رہی ہیں، آخر ہیں کس کام کی؟ انہیں تو رہن رکھ کر بنئے سے چار پیسے بھی نہیں مل سکتے۔

مسلمان جب مغربی تعلیم کی طرف گئے تو یہی سمجھ کر گئے۔ زبانوں سے گو ایسا نہیں کہا مگر جذبات اور تخیلات تو ایسے ہی کچھ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کم و بیش ۹۰ فیصدی لوگوں پر اس تعلیم کے وہی اثرات ہوئے جو ہم نے اوپر بیان کئے ہیں۔ اسلامی تعلیم میں وہ قطعی کورے ہیں۔ ان میں بیشتر ایسے لوگ ہیں جو قرآن کو ناظرہ بھی نہیں پڑھ سکتے۔ اسلامی لٹریچر کی کوئی چیز ان کی نظروں سے نہیں گذرتی۔ وہ کچھ نہیں جانتے کہ اسلام کیا ہے؟ اور مسلمان کس کو کہتے ہیں؟ اور اسلام اور غیر اسلام میں کیا چیز مابہ الامتیاز ہے؟ خواہشاتِ نفس کو انہوں نے اپنا معبود بنا لیا ہے اور یہ معبود انہیں اُس مغربی تہذیب کی طرف لئے جا رہا ہے جس نے نفس کی ہر خواہش اور لذت نفس کی ہر طلب کو پورا کرنے کا ذمہ لے رکھا ہے۔ وہ مسلمان ہونے پر نہیں بلکہ ماڈرن (نئی روشنی کا انسان) ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ وہ اہل فرنگ کی ایک ایک ادا پر جان نثار کرتے ہیں۔ لباس میں، معاشرت میں، کھانے اور پینے میں، میل جول اور بات میں حتیٰ کہ اپنے ناموں تک میں وہ اُن کی ہُو بہُو نقل بن

جانا چاہتے ہیں، انہیں ہر اس طریقہ سے نفرت ہے جس کا حکم مذہب نے ان کو دیا ہے اور ہر اس کام سے رغبت ہے جس کی طرف مغربی تہذیب انہیں بلاتی ہے۔ نماز پڑھنا ان کے ہاں معیوب ہے، اتنا معیوب کہ جو شخص نماز پڑھتا ہے، اسے ان کی سوسائٹی میں بنایا جاتا ہے اور اگر بنانے کی جرأت نہیں ہوتی تو کم از کم حقارت آمیز حیرت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے کہ آخر یہ کونسی مخلوق ہے جو اب تک خدا کا نام لئے جا رہی ہے؟ بخلاف اس کے سینما جانا ان کے نزدیک نہ صرف پسندیدہ بلکہ ایک مہذب انسان کے لوازم حیات میں سے ہے اور جو شخص اس سے پرہیز کرتا ہے، اس پر حیرت کی جاتی ہے کہ یہ کس قسم کا تاریک خیال ملا ہے جو بیسویں صدی کی اس برکت عظمیٰ سے محروم رہنا چاہتا ہے؟ ان میں اب وہ طبقہ سرعت سے بڑھ رہا ہے جو مذہب اور خدا سے اپنی بیزاری کو چھپانے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتا اور صاف کہنے لگا ہے کہ ہمیں اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

یہ چیز اب تک ہمارے مردوں میں تھی، مگر اب عورتوں میں بھی پہنچ رہی ہے۔ جو طبقے ہماری سوسائٹی کے لیڈر اور پیش رو ہیں، وہ اپنی عورتوں کو کھینچ کر باہر لا رہے ہیں۔ ان کو بھی اسلام اور اس کی تہذیب سے بیگانہ اور مغربی تہذیب اور اس کے طور طریقوں اور اس کے تخیلات سے آراستہ کیا جا رہا ہے۔ عورت میں اثر قبول کرنے کا مادہ فطری طور پر مردوں سے زیادہ ہے جو راستہ مردوں نے ستر برس میں طے کیا ہے، عورتیں اس کو ان سے بہت جلدی طے کر لیں گی اور ان کی گودوں میں جو نسلیں پرورش پا کر اٹھیں گی ان میں شائد اسلام کا نام بھی باقی نہ رہے گا۔

پانچویں دور کا آغاز۔ مسلمانوں کی موجودہ حالت

خودغرضی انفرادیت اور نفس پرستی کے غلبہ کا فطری نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں سے قومیت کا احساس مٹتا جا رہا ہے اور ان کی اجتماعی طاقت فنا ہو رہی ہے۔ پندرہ سال

سے اُن کے اندر سخت انتشار برپا ہے، ان کی کوئی قومی پالیسی نہیں، کوئی جماعتی زندگی نہیں۔ کوئی ایک شخص نہیں جو ان کا لیڈر ہو۔ کوئی ایک جماعت نہیں جو ان کی نمائندہ ہو۔ کسی بڑی سے بڑی قومی مصیبت پر بھی وہ جمع نہیں ہو سکتے۔ ایک بے سری فوج ہے جو راس کماری سے پشاور تک پھیلی ہوئی ہے۔ ایک ریوڑ ہے جس میں کوئی نظم نہیں۔ ایک بھیڑ ہے جس میں کوئی رابطہ نہیں۔ ہر فرد آپ ہی اپنا لیڈر اور اپنا پیرو ہے۔ انجمنیں اور جمعیتیں ہزاروں ہیں مگر حال یہ ہے کہ ایک ہی انجمن کے ارکان باہم برسرِ پیکار ہو جاتے ہیں اور علانیہ ایک دوسرے کے مقابلے پر آتے ہیں۔ اوّل اوّل ان کو اپنی اس طاقت کا گھمنڈ تھا جو کبھی ان میں پائی جاتی تھی، مگر ہمسایہ قوموں نے دس سال کے اندر ان کو بتا دیا کہ طاقت کس چیز کا نام ہے؟ یہ آپس میں لڑتے رہے، اور وہ منظم ہو گئیں۔ انہوں نے خود اپنے سرداروں میں سے ایک ایک کو کھینچ کر زمین پر گرا دیا اور انہوں نے ایک سردار کی اطاعت کر کے اُسے تمام ملک میں بے تاج بادشاہ بنا دیا۔ یہ اپنی قوتوں کو اپنی تخریب میں ضائع کرتے رہے اور وہ حکومت سے پیہم مقابلے کر کے اپنا زور بڑھاتے رہے۔ انہوں نے ملک کے تازہ انتخابات میں شخصی اغراض کو سامنے رکھا اور بیسیوں پارٹیاں بن کر اسمبلیوں میں پہنچے اور اُنہوں نے اجتماعی اغراض کو مقدم رکھ کر تمام ملک میں منظم جدوجہد کی اور ایک مستحکم جمعیت کی شکل میں حکومت کے ایوانوں پر قبضہ کر لیا۔ ان نتائج کو دیکھ کر ہندوستان کے مسلمانوں پر اب وہی اثر ہو رہا ہے جو ایک باقاعدہ فوج کو دیکھ کر منتشر انبوہ پر ہوا کرتا ہے۔ ایک منظم جماعت کی کامیابیوں سے وہ مرعوب ہو گئے ہیں، وہ دیکھ رہے ہیں کہ حکومت کا اقتدار اب بہت جلدی انگریز کے ہاتھ سے منتقل ہو کر اس نئی جماعت کے ہاتھ میں آنے والا ہے۔ لہٰذا اب وہ سمتِ قبلہ بدلنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ان کے سجدوں کا رُخ وائسریگل لاج سے ہٹ کر آنند بھون کی طرف

پھرنے لگا ہے اور آج نہیں تو کل پھر کر رہے گا۔

آیندہ انقلاب کے خط و خال

یہ ہے مسلمانوں کی موجودہ پوزیشن۔ اب دیکھئے کہ جو انقلاب آرہا ہے وہ کس نوعیت کا ہے؟

اب تک ہندوستان کی حکومت ایک ایسی قوم کے ہاتھ میں رہی ہے جو اس ملک کی آبادی میں آٹے میں نمک کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے اثرات تو وہ تھے جو اوپر آپ نے دیکھ لئے۔ اب جو جماعت برسر اقتدار آرہی ہے وہ ملک کی آبادی کا سواد اعظم ہے۔ گذشتہ ڈھائی سو برس میں مسلمانوں نے جو زنانہ خصوصیات (دوسروں سے متاثر ہونا، فیشن پرستی، بزدلی وغیرہ) اپنے اندر پیدا کی ہیں، ان کو پیش نظر رکھ کر اندازہ کیجئے کہ اس قوم کو جدید ہندی قومیت میں جذب ہوتے کتنی دیر لگے گی؟

جدید ہندی قومیت کا لیڈر وہ شخص (جواہر لال) ہے جو مذہب کا علانیہ مخالف ہے ہر اُس قومیت کا دشمن ہے جس کی بنا کسی مذہب پر ہو، اس نے اپنی دہریت کو کبھی نہیں چھپایا، یہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں کہ وہ کیمونزم پر ایمان رکھتا ہے، اس امر کا بھی وہ خود اعتراف کر چکا ہے کہ مَیں دِل اور دماغ کے اعتبار سے فرنگی ہوں۔ یہ شخص ہندوستان کی نوجوان نسل کا رہنما ہے اور اس کے اثر سے وہ جماعت نہ صرف غیر مسلم قوموں میں، بلکہ خود مسلمانوں کی نوخیز نسلوں میں بھی روز افزوں تعداد میں پیدا ہو رہی ہے جو سیاسی حیثیت سے ہندوستانی وطن پرست، اور اعتقادی حیثیت کیمونسٹ اور کلچرل حیثیت سے مکمل فرنگی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس ڈھنگ پر جو قومیت تیار ہو رہی ہے اس سے مغلوب اور متاثر ہو کر ہندوستان کے مسلمان کتنی مدت تک اپنی قومی تہذیب کے باقی ماندہ آثار کو زندہ رکھ سکیں گے؟

مسلمانوں کے انتشار اور بدنظمی کو دیکھکر اب ان کے مستقل قومی وجود کو تسلیم کرنے سے

صاف انکار کیا جا رہا ہے جن لوگوں کی عمریں عوام کی رہنمائی اور اقوام کی نبض شناسی میں گذری ہیں، ان سے یہ راز چھپا نہیں رہ سکتا کہ قوم کا شیرازۂ قومیت بڑی حد تک بکھر دیکا ہے۔ وہ خصوصیات اُن سے فنا ہو رہی ہیں جو کسی جماعت کو ایک قوم بناتی ہیں اب اس کے افراد کسی دوسری قومیت میں جذب ہونے کے لئے کافی حد تک مستعد ہو چکے ہیں۔ یہی چیز ہے جس کی بنا پر اب یہ اسکیم بنائی جا رہی ہے کہ مسلمانوں کی جماعتوں کو خطاب کرنے کے بجائے ان کے افراد کو خطاب کیا جائے اور ان کو جدا جدا اکائیوں کی شکل میں رفتہ رفتہ اپنی طرف کھینچا جائے۔ یہ کس چیز کی تمہید ہے؟ جس شخص کو اللہ نے تھوڑی سی بصیرت بھی عطا کی ہے وہ اس کو سمجھنے میں غلطی نہیں کر سکتا، مسلمان انگریزی اقتدار کے زمانہ میں جس کیریکٹر کا اظہار کرتے رہے ہیں ان کو سامنے رکھکر غور کیجئے۔ کیا اسمبلیوں کی نشستوں اور آئندہ معاشی اور سیاسی فائدوں کا لالچ ان کے افراد کو فوج در فوج اس طرف نہ کھینچ کرلے جائیگا۔ جس طرف اُسے کھینچا جا رہا ہے؟ اور کیا یہ وہی سب کچھ نہ کریں گے جو انگریزی اقتدار کی غلامی میں کر چکے ہیں مسلمانوں کی اصلی کمزوری کو تاڑ لیا گیا ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ انہیں کھینچنے کے لئے جو صدا بلند کی جا رہی ہے، وہ کونسی صدا ہے؟ وہی پیٹ اور روٹی کی ذلیل صدا جو ہمیشہ خود غرض اور شکم پرست حیوانات کو اپنی طرف کھینچتی رہی ہے۔ اُن سے کہا جا رہا ہے کہ تہذیب کیا بلا ہے؟ اور تمہاری تہذیب کی خصوصیت بھاڑ میں جائے اور داڑھی کے اور رہنے ہی کیا؟ اس میں آخر کونسی اہمیت ہے؟ اصلی سوال تو پیٹ کا سوال ہے اسی سوال کو حل کرنے کے لئے ہم اُٹھے ہیں۔ اب اگر دہریت اور کمیونزم کا زہر بھی تھوڑا تھوڑا ہر نوالے کے ساتھ پیٹ میں اُتر جائے تو اس سے گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ جو قوم اس سے پہلے اِنہی نوالوں کے ساتھ الحاد اور فرنگیت کا زہر بھی اتار چکی ہے۔ اس کے

حلق میں ویسی ہی اور چند چٹنیاں کیوں چھننے لگیں؟

اس نوعیت کا ہے وہ انقلاب جو آرہا ہے۔ مسلمانوں میں سے جو لوگ اس انقلاب کے دامن سے وابستہ ہیں، ان کی زندگیاں ہمارے سامنے ہیں۔ ان کی صورتیں، ان کے لباس، ان کی بات چیت، ان کی چال، ڈھال، ان کے آداب و اطوار، ان کے خیالات سب کچھ ہمارے سامنے اس مسلمان کا نمونہ پیش کر رہے ہیں جو اس آنے والے انقلاب میں پیدا ہوگا۔ ہم ابھی سے دیکھ رہے ہیں کہ اس دور میں مسٹروں کی بجائے مہاشے اور مسوں کی بجائے شریمتیاں ہمارے ہاں پیدا ہوں گی۔ گڈ مارننگ کی جگہ نمستے لے گا۔ ہیٹ کی جگہ گاندھی کیپ ہوگی۔ پیشانیوں پر قشقے اور بندیاں نظر آئیں گی۔ دماغ اور دل اور جسم سب اپنا رنگ بدلیں گے اور کونواقی دۃ خاسئین کی لعنت جو ان پر ستر سال پہلے نازل ہوتی تھی، ایک دوسری شکل میں ظاہر ہو کر رہے گی۔

دنیا میں انقلاب کی رفتار بہت تیز ہے اور روز بروز تیز ہوتی چلی جارہی ہے۔ پہلے جو تغیرات صدیوں میں ہوتے تھے۔ اب وہ برسوں میں ہو رہے ہیں۔ پہلے انقلاب بیل گاڑیوں اور ٹٹوؤں پر سفر کیا کرتا تھا، اب ریل اور تار اور اخبار اور ریڈیو پر حرکت کر رہا ہے۔ آج وہ حالت ہے کہ

یک لحظہ غافل بودہ ام صد سالہ راہم دور شد

اگر ہندوستان کے باہر کوئی اچانک واقعہ نہ بھی پیش آیا، تب بھی اس متوقع انقلاب کے رونما ہونے میں کچھ زیادہ دیر نہ لگے گی اور اگر کوئی عالمگیر جنگ چھڑ گئی جو قضائے مبرم کی طرح دنیا کے سر پر لٹک رہی ہے تو غالباً فیصلہ کا وقت اور بھی زیادہ قریب آجائیگا۔ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ مسلمانان ہندوستان اس صورت حال کی مدافعت کے لئے کوئی منظم قدم اٹھانے کی فکر کریں؟)

مسلمانوں کی اندرونی کمزوریاں

انقلاب کے خطرات اور مسائل حفاظت

بیشمار مسلمان اپنی قومی تہذیب، امتیازی خصوصیات، اسلامی حدود اور جماعتی ڈسپلن سے بے خبر ہو چکے ہیں اور بڑی تیزی سے بیرونی اثرات قبول کر رہے ہیں۔ ان کا قومی کیریکٹر اب مردانہ کیریکٹر نہیں رہا بلکہ زنانہ کیریکٹر بن گیا ہے جس کی نمایاں خصوصیت دوسروں سے متاثر ہو جانا ہے۔ اب ہر طاقتور مسلمانوں کے خیالات، عقائد، زندگی اور ذہنیت کو اپنے رنگ میں رنگ سکتا ہے۔ اول تو انہیں یہ علم ہی نہیں کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم کس خیال اور کس عملی طریقے کو قبول کر سکتے ہیں اور کس کو قبول نہیں کر سکتے۔ پھر ان کی قومی تربیت اتنی ناقص ہے کہ ان کے اندر کوئی اخلاقی طاقت ہی باقی نہیں رہی جب کوئی چیز قوت کے ساتھ آتی اور گرد و پیش میں پھیل جاتی ہے تو خواہ کتنی ہی غیر اسلامی ہو، یہ اس کی گرفت سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے اور غیر اسلامی جاننے کے باوجود طوعاً و کرہاً اس کے آگے سپر ڈال ہی دیتے ہیں۔ اس پر مزید یہ کہ نظام جماعت حد سے زیادہ کمزور ہو چکا ہے اور ہماری سوسائٹی میں اتنی قوت ہی نہیں رہی کہ وہ اپنے افراد کو حدود اسلامی کے باہر قدم رکھنے سے باز رکھ سکے، یا اپنے دائرے میں غیر اسلامی خیالات اور طریقوں کی اشاعت کو روک سکے۔ افراد کو قابو میں رکھنا تو درکنار، ہماری سوسائٹی تو اب افراد کے پیچھے چل رہی ہے۔ پہلے چند سرکش افراد اسلامی قانون کے خلاف بغاوت کرتے ہیں اور سوسائٹی چند روز اس پر ناک بھوں چڑھاتی ہے، پھر دیکھتے دیکھتے وہی بغاوت ساری قوم میں پھیل جاتی ہے۔

۲۔ خود سری اور نظام شکنی انفرادیت اور لامرکزیت کی روز افزوں ترقی نے مسلمانوں

کے شیرازۂ قومیت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اور اب ان میں جمع ہو کر کام کرنے کی صلاحیت نہیں پائی جاتی۔ شخصی اغراض اور ذاتی مفاد کی بنیاد پر جماعتیں بنتی ہیں اور پھر خود غرضی ہی کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی ہیں۔ کوئی بڑی سے بڑی قومی مصیبت بھی آج مسلمانوں کے رہنماؤں اور ان کے قومی کارکنوں کو متحدہ اور مخلصانہ و بے غرضانہ عمل پر آمادہ نہیں کر سکتی۔ تحریک خلافت کی ناکامی کے بعد سے مسلسل مصیبتیں مسلمانوں پر نازل ہوئیں۔ پے در پے خطرات ان کے سامنے آئے، مگر کوئی ایک چیز بھی اُن کو اشتراک عمل کیلئے جمع نہ کر سکی۔ تازہ ترین واقعہ مسجد شہید گنج کا ہے جس نے اس قوم کی کمزوری کا راز اپنوں سے زیادہ غیروں پر فاش کر دیا ہے۔ ان کے اندر اتنی زندگی تو ضرور باقی ہے کہ جب کوئی مصیبت پیش آتی ہے تو تڑپ اٹھتے ہیں مگر وہ اخلاقی اوصاف باقی نہیں جن کی بدولت یہ قومی مفاد کی حفاظت کے لئے اجتماعی کوشش کر سکیں۔ ان میں اتنی تمیز نہیں کہ صحیح رہنما کا انتخاب کر سکیں، ان میں اطاعت کا مادہ نہیں کہ کسی کو رہنما تسلیم کرنے کے بعد اس کی بات کو مانیں اور اس کی ہدایت پر چلیں۔ ان میں اتنا ایثار نہیں کہ کسی بڑے مقصد کے لئے اپنے ذاتی مفاد، اپنی ذاتی رائے، اپنی آسائش، اپنے مال اور جان کی قربانی کسی حد تک بھی گوارا کر سکیں۔

۳۔ بے غیرتی اور ضمیر فروشی

افلاس، جہالت اور غلامی نے ہمارے افراد کو بے غیرت اور بندۂ نفس بنا دیا ہے، وہ روٹی اور عزت کے بھوکے ہو رہے ہیں۔ ان کا حال یہ ہو گیا ہے کہ جہاں کسی نے روٹی کے چند ٹکڑے اور نام و نمود کے چند کھلونے پھینکے، یہ فی الفور انکی طرف لپکتے ہیں اور ان کے معاوضے میں اپنے دین و ایمان، اپنے ضمیر، اپنی غیرت و شرافت، اپنی قوم و ملت کے خلاف کوئی بھی خدمت بجا لانے میں ان کو باک نہیں ہوتا۔ مسلمان کا ایمان جو کبھی سارے جہاں کی دولت سے بھی زیادہ قیمتی تھا، آج اتنا سستا ہو گیا ہے کہ ایک حقیر سی تنخواہ اسے خرید سکتی ہے، ایک

ادنی درجہ کی کرسی پر وہ قربان ہو سکتا ہے۔ ایک آبرو باختہ عورت کے قدموں پر وہ نثار کیا جا سکتا ہے۔ ایک ذراسی شہرت و ناموری عطا کرکے اور دو چار جے کے نعرے لگا کر خریدا جا سکتا ہے۔ گذشتہ ڈیڑھ سو برس کا تجربہ بتا رہا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دشمنوں نے جو کچھ کرنا چاہا، اس کے لئے خود مسلمانوں ہی کی جماعت سے ایک دو نہیں، ہزاروں اور لاکھوں خائن اور غدار ان کو مل گئے، جنہوں نے تقریر سے، تحریر سے، ہاتھ اور پاؤں سے، حتیٰ کہ تلوار اور بندوق تک سے اپنے مذہب اور اپنی قوم کے مقابلہ میں دشمنوں کی خدمت کی۔ یہ ناپاک اور ذلیل ترین وصف جب ہمارے افراد میں موجود ہیں تو جس طرح چھ ہزار میل دور کے رہنے والوں نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے، اسی طرح ہم سے ایک دیوار بیچ رہنے والے بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور اگر ہماری فاش گوئی کسی کو بری نہ معلوم ہو تو ہم صاف کہدیں کہ انہوں نے اس سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا ہے۔ پرانی مارکیٹ میں جب سے سرد بازاری کے آثار نمایاں ہوئے ہیں، نئی مارکیٹ میں ایمان کی خرید و فروخت کا بیوپار بڑھ رہا ہے۔ ہمارے کان خود اپنی قوم کے لوگوں کی زبانوں سے جب کمیونزم کا پروپیگنڈا سنتے ہیں، متحدہ ہندی قومیت میں جذب ہو جانے کی دعوت سنتے ہیں اور یہ آوازیں سنتے ہیں کہ اسلامی کلچر کوئی جداگانہ کلچر ہی نہیں ہے تو ہمارا حافظہ ہم کو یاد دلاتا ہے کہ کچھ اسی نوعیت کی آوازیں اس وقت بھی بلند ہونی شروع ہوئی تھیں جب سرکار برطانیہ کا زرین پھندا ہمارے گلوں میں پڑ رہا تھا۔

۴۔ منافقت اور دورنگی

ہماری قوم میں منافقین کی ایک بڑی جماعت شامل ہے اور اس کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔ بکثرت اشخاص، تعلیم یافتہ، صاحب قلم، صاحب زبان، صاحب مال و زر، صاحب اثر اشخاص ایسے ہیں جو دل سے اسلام اور اس کی تعلیمات پر یقین نہیں رکھتے

مگر نفاق اور قطعی بے ایمانی کی راہ سے مسلمانوں کی جماعت میں شریک ہیں۔ یہ اسلام سے عقیدۃً اور عملاً نکل چکے ہیں، مگر اس سے علیحدگی کا صریح اعلان نہیں کرتے، لہٰذا عام مسلمان ان کے ناموں سے دھوکا کھا کر انہیں اپنی قوم کا آدمی سمجھتے ہیں، ان سے بیاہ شادی کرتے ہیں، ان سے معاشرت کے تعلقات رکھتے ہیں اور ان زہریلے جانوروں کو اپنی جماعت میں چل پھر کر اور رہ بس کر زہر پھیلانے کا موقع دے رہے ہیں۔ نفاق کا خطرہ ہر زمانے میں مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا خطرہ رہا ہے مگر اس نازک زمانہ میں تو یہ ہمارے لئے پیام موت ہے۔ آنکھیں کھول کر دیکھئے کہ یہ منافقین کیسا زہر ہماری قوم میں پھیلا رہے ہیں۔ یہ اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں، اس کی اساسی تعلیمات پر حملے کرتے ہیں، مسلمانوں کو دہریت اور الحاد کی طرف دعوت دیتے ہیں، ان میں بے دینی اور بے حیائی اور قانون اسلام کی خلاف ورزی کو نہ صرف عملاً پھیلاتے ہیں بلکہ کھلم کھلا زبان و قلم سے اس کی تبلیغ کرتے ہیں۔ ان کی تہذیب کو مٹانے کی ہر کوشش میں آپ دیکھیں گے کہ یہ دشمنوں سے چار قدم آگے ہیں۔ ہر وہ اسکیم جو اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی کیلئے کہیں سے نکلی ہو، اس کو مسلمانوں کی جماعت میں نافذ کرنے کی خدمت یہی ناپاک گروہ اپنے ذمہ لیتا ہے اور اسلامی قومیت کا ایک جزو ہونے کی وجہ سے اس کو اپنا کام کرنے کا خوب موقع مل جاتا ہے۔

ان کمزوریوں کے ساتھ انقلاب کا مقابلہ کیونکر ہوسکتا ہے؟

یہ حالت ہے اس وقت ہماری قوم کی، اور اس حالت میں یہ ایک بڑے انقلاب کے سرے پر کھڑی ہے۔ انقلاب کی فطرت ایک بحرانی اور طوفانی فطرت ہوتی ہے۔ جب انقلاب آتا ہے تو آندھی اور سیلاب کی طرح آتا ہے اور اس کے زور کا مقابلہ اگر کچھ کرسکتی ہیں تو مضبوط جمی ہوئی چٹانیں ہی کرسکتی ہیں۔ بوسیدہ عمارتیں جو اپنی جڑ چھوڑ کر محض فضا کے سکون وجمود کی بدولت کھڑی ہوں، ان کا کسی انقلابی طوفان میں ٹھہرنا غیر ممکن ہے اب جو

کوئی صاحب بصیرت انسان اس وقت مسلمانوں کی حالت پر نگاہ ڈالے گا، وہ بیک نظر معلوم کرلے گا کہ ان کمزوریوں کے ساتھ یہ قوم ہرگز کسی انقلاب کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس کے لئے انقلابی دور میں اپنے قومی تشخص اور اپنی قومی تہذیب کے خصائص کو بچالے جانا اور اپنے حقوق کی پامالی سے محفوظ رکھنا بہت ہی مشکل ہے۔ اوّل تو جہالت کی بنا پر وہ بہت سے اجنبی اور غیر اسلامی اثرات کو بے جانے بوجھے قبول کرلے گی۔ پھر زنانہ کیرکیٹر اس کو بہت سی ایسی چیزوں سے متاثر کردے گا جن کو وہ جانتی ہوگی کہ اسلامی تعلیمات کے خلاف اور اسلامی تہذیب کے منافی ہیں۔ اس طرح ایک بڑی حد تک بلا مقابلہ شکست کھا جانے کے بعد اگر کچھ احساسات باقی رہ گئے اور کسی شدید حملے پر وہ بیدار بھی ہوئے اور اس نے اپنے حقوق کی حفاظت کرنی چاہی تو نہ کر سکے گی، کیونکہ اپنی بدنظمی اور انتشار کی بدولت اس کے لئے کوئی متحدہ جدوجہد کرنا مشکل ہوگا اور خود اسی کے گروہ سے ہزاروں لاکھوں خائن غدار اور منافق اس کے قومی حقوق کو پائمال کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

ہمارے انقلاب پسندوں کی ذہنیت

اگر آنے والا انقلاب سیاسی انقلاب ہوتا تب بھی خطرہ کچھ کم نہ تھا، لیکن یہاں تو جو انقلاب آرہا ہے وہ سیاسی انقلاب سے بڑھ کر ایک فکری اور عمرانی انقلاب ہے (جو قوم کی دماغی اور ذہنی حالت کو اندر ہی اندر بگاڑتا چلا جاتا ہے) اگر آپ اس کے آثار و نتائج کو اچھی طرح سمجھنا چاہتے ہیں تو زیادہ گہری نظر سے ان قوتوں کو دیکھئے جو اس انقلاب میں کام کر رہی ہیں۔

ہندوستان کی جدید وطنی حرکت دراصل نتیجہ ہے، اس ٹکراؤ کا جو انگریزی اقتدار اور ہندوستان کے درمیان گذشتہ ڈیڑھ سو سال سے ہو رہا ہے۔ یہ (ٹکراؤ یا) تصادم محض سیاسی نہیں بلکہ فکری اور عمرانی بھی ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ فکری و عمرانی تصادم کا جو

نتیجہ ہوا ہے، وہ سیاسی تصادم کے نتیجہ سے بالکل برعکس ہے۔ انگریزی کے ظلم و جبر اور معاشی لوٹ نے تو ہندوستان کے باشندوں کو آزادی کا سبق دیا اور ان میں سیاست کا یہ جذبہ پیدا کیا کہ وہ بند غلامی کو توڑ کر پھینک دیں۔ لیکن انگریزی علوم و فنون اور انگریزی تہذیب و تمدن نے ان کو پوری طرح مغرب کا غلام بنا دیا اور ان کے دماغوں پر اتنا زبردست قابو پالیا کہ اب وہ زندگی کا کوئی نقشہ اس نقشہ کے خلاف سوچ ہی نہیں سکتے جو ان کے سامنے اہل مغرب نے پیش کیا ہے وہ جس قسم کی آزادی کیلئے جدوجہد کر رہے ہیں اس کی نوعیت صرف یہ ہے کہ ہندوستان سیاسی حیثیت سے آزاد ہو، اپنے گھر کا انتظام آپ کرے اور اپنے وسائل معیشت کو خود اپنے مفاد کے لئے استعمال کرے۔ لیکن یہ آزادی حاصل کرنے کے بعد اپنے گھر کے انتظام اور اپنی زندگی کی تعمیر کا جو نقشہ ان کے ذہن میں ہے وہ از سرتا پا فرنگی ہے۔ ان کے پاس جتنے اجتماعی تصورات ہیں، جس قدر عمرانی اصول ہیں سب کے سب مغرب سے حاصل کئے ہوئے ہیں۔ ان کی نظر فرنگی نظر ہے، ان کے دماغ فرنگی دماغ ہیں، ان کی ذہنیت پوری طرح فرنگیت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے بلکہ انقلابیت کے بحران نے ان کو (یا کم از کم ان کے سب سے زیادہ پرجوش طبقوں کو) فرنگیوں میں سے بھی اس قوم کا متبع بنا دیا ہے جو انتہا پسندی میں تمام فرنگی اقوام کو پیچھے چھوڑ چکی ہے۔ وہ پکے مادہ پرست ہیں۔ ان کی نگاہ میں اخلاق اور روحانیت کی کوئی قیمت نہیں۔ ان کو خدا پرستی سے نفرت ہے۔ مذہب کو وہ شر و فساد کا ہم معنی سمجھتے ہیں۔ مذہبی اور اخلاقی قدروں کو وہ پرکاہ کے برابر بھی وقعت دینے کے لئے تیار نہیں۔ ان کو ہر ایسی قومیت اور ایسے قومی امتیاز سے چڑ ہے جس کی بنیاد مذہب پر ہو۔ وہ زیادہ سے زیادہ رواداری جو مذہب کے ساتھ برت سکتے ہیں، صرف یہ ہے کہ اس کو اپنی عبادت گاہوں اور اپنے مراسم میں جینے دیں۔ باقی رہی اجتماعی زندگی تو اس میں مذہب اور مذہبیت کے ہر اثر کو مٹانا، ان کا

نصب العین ہے اور ان کے نزدیک اس اثر کو مٹائے بغیر کوئی ترقی ممکن نہیں۔ ہندوستانی قومیت کا جو نقشہ ان کے پیش نظر ہے، اس میں مذہبی جماعتوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں وہ تمام امتیازی حدود کو توڑ کر وطنیت کی بنیاد پر ایک ایسی قوم بنانا چاہتے ہیں جس کی اجتماعی زندگی ایک ہی طرز پر تعمیر ہو اور وہ اپنے اصول و فروع میں خالص مغربی ہو۔

انقلابی ذہنیت کا مسلمانوں پر کیا اثر ہوگا؟

چونکہ اس جماعت کے مقاصد میں "سیاسی آزادی" کا مقصد سب سے مقدم ہے اور وہی اس وقت حالات کے لحاظ سے نمایاں ہو رہا ہے، اس لئے مسلمانوں کے آزادی پسند طبقے اس کی طرف کھنچ رہے ہیں۔ پھر چونکہ انگریز کی غلامی، ہندوستان کے تمام باشندوں کیلئے ایک مشترک مصیبت ہے۔ اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کیلئے مشترک جدوجہد کرنا ہر لحاظ سے معقول بات ہے اور جو گروہ اس جدوجہد میں سب سے زیادہ سرگرم ہو اسکی طرف دلوں کا مائل ہونا اور اس کے ساتھ شریک عمل ہو جانا بظاہر ضروری نظر آتا ہے۔ اس واسطے کہ ہندوستان کے علماء اور سیاسی رہنماؤں میں سے ایک بڑی جماعت اور مخلص جماعت کانگرس کی طرف جارہی ہے اور عامۂ مسلمین کو بھی ترغیب دے رہی ہے کہ اس میں شریک ہو جائیں لیکن عمل کی طرف قدم بڑھانے سے پہلے ایک مرتبہ سوچ لینا چاہئے کہ اس انقلابی جماعت میں شریک ہونے کے نتائج کیا ہوں گے؟

مسلمانوں کی جو کمزوریاں ہم نے اوپر بیان کی ہیں، وہ سب آپ کے سامنے ہیں، ان کو پیش نظر رکھکر غور کیجئے کہ ان کمزوریوں کے ساتھ جب یہ قوم کانگرس میں شریک ہوگی اور عام مسلمانوں سے کانگرسی کارکنوں کا رابطہ قائم ہوگا تو آزادیٔ وطن کی تحریک کے ساتھ ساتھ اور کس کس قسم کی تحریکیں ان کے درمیان پھیلیں گی؟ کیا مسلمانوں کے عوام ان اجتماعی نظریات، اُن ملحدانہ افکار، اُن غیر اسلامی طریقوں سے متاثر نہ ہوں گے جو اس جماعت میں شائع اور رائج ہیں؟ کیا اسلامی جماعت کے رگ و ریشہ میں اس فکری و عمرانی انقلاب کے عناصر نہ پھیلائے جائینگے

جو سیاسی انقلاب کے ساتھ ہم رشتہ ہے؟ کیا مسلمانوں کے اندر ایک ایسی رائے عامہ تیار کرنے کی کوشش نہ کی جائے گی جو جدید ترین مغربی واشتراکی بنیادوں پر اجتماعی زندگی کی تعمیر کے ہر نقشہ کی تائید کرے؟ کیا مسلمانوں کی نمایندگی کے لئے خود مسلمانوں کی جماعت سے وہ لوگ تیار نہ کئے جائیں گے جو اسلامی کلچر کے خلاف ہر قسم کے قوانین وضع کرنے میں حصہ لیں؟ ان حالات میں آپ کے پاس کونسی قوت ہے جس سے آپ اپنی قوم کو قابو میں رکھ سکیں گے؟ آپ نے اپنے عوام کو اسلامی تہذیب کے حدود میں رکھنے کا کیا بندوبست کیا ہے؟ آپ نے ان کو غیر اسلامی اثرات سے بچانے کا کیا انتظام کیا ہے؟ آپ نے اپنے غداروں اور منافقوں کے فتنے کا کیا علاج سوچا ہے؟ آپ کے پاس یہ اطمینان کرنیکا کونسا ذریعہ ہے کہ کسی ضرورت کے موقع پر آپ اسلامی حقوق کی حفاظت کیلئے مسلمانوں کو جمع کرسکیں گے اور انکی متحدہ طاقت آپکی پشت پر ہوگی؟

مسلمان انقلاب جدید کے اثرات سے کیونکر بچیں گے؟

انگریز کے اقتدار کا خاتمہ کرنا یقیناً ضروری ہے بلکہ فرض ہے۔ کوئی سچا مسلمان غلامی پر ہرگز راضی نہیں ہوسکتا۔ جس شخص کے دل میں ایمان ہوگا، وہ ایک لمحہ کے لئے بھی یہ نہ چاہے گا کہ ہندوستان انگریز کے پنجۂ استبداد میں رہے، لیکن آزادی کے جوش میں یہ نہ بھول جانا چاہیئے کہ انگریزی اقتدار کی مخالفت میں مسلمان کا نظریہ ایک وطن پرست کے نظریہ سے بالکل مختلف ہے۔ ہم کو انگریز سے اس لئے عداوت نہیں کہ وہ انگریز ہے، چھ ہزار میل دور سے آیا ہے، ہمارے وطن میں پیدا نہیں ہوا، بلکہ ہماری عداوت اس بنا پر ہے کہ وہ غیر صالح ہے، ناجائز طریقے سے حکومت کرتا ہے، عدل کی بجائے جور پھیلاتا ہے اور اصلاح کی بجائے فساد برپا کرتا ہے، اگر یہی کچھ دوسرے کریں تو ہم محض اس بنا پر ان کی حمایت نہیں کرسکتے کہ وہ ہمارے ہم وطن ہیں مسلمان کی نگاہ میں وطنی اور غیر وطنی کوئی چیز نہیں۔ وہ غیر ممالک کے صہیب اور سلمان کو گلے لگا سکتا ہے مگر اپنے وطن کے ابوجہل اور ابولہب سے دوستی نہیں کرسکتا۔ پس اگر آپ

مسلمان ہیں تو وطنیت کے ڈھنگ پر نہ سوچئے، مسلمان ہونے کی حیثیت سے انگریزی کی غلامی کا بند توڑنا ضرور آپ کا فرض ہے، مگر کسی ایسی حکومت کے قیام میں مددگار بننا آپ کے لئے ہرگز جائز نہیں جسکی بنیاد انہی اصولوں پر ہو جن پر انگریزی حکومت کی بنیاد ہے۔ عام اس سے کہ وہ وطنی حکومت ہو یا غیر وطنی۔ آپ کا کام باطل کو مٹا کر حق کو قائم کرنا ہے، ایک باطل کو مٹا کر دوسرے باطل کو قائم کرنا نہیں ہے۔ آپ انگریزی حکومت کے خلاف ہر اُس گروہ سے موالات کیجئے جو اس کو مٹانا چاہتا ہو مگر یہ بتایئے کہ اس ظالم حکومت کو مٹا کر ایک عادل حکومت قائم کرنے کے لئے آپ نے کیا انتظام کیا ہے؟ کونسی طاقت آپ نے فراہم کی ہے جس سے آپ دوسری حکومت کی تشکیل حق کے اصولوں پر کرا سکیں؟ یہ نہیں تو جانے دیجئے، یہی بتایئے کہ آپ نے خود اپنی قوم کو باطل کے اثرات سے بچانے کا کیا بندوبست کیا ہے؟

آپ کہتے ہیں کہ ہم اپنی تہذیب اور اپنے قومی حقوق کی حفاظت کے لئے آئینی ضمانتیں لیں گے۔ ہم دستور اساسی میں ایسے تحفظات رکھوائیں گے جن سے ہمارے حقوق پر آنچ نہ آنے پائے۔ بلا شبہ یہ سب کچھ آپ کر سکتے ہیں۔ مگر شائد آپ نے غور نہیں فرمایا کہ آئینی ضمانتیں اور دستور اساسی کے تحفظات اور دوسرے تمام کاغذی اقرار نامے صرف اسی قوم کے لئے مفید ہو سکتے ہیں جس میں ایک طاقتور رائے عام موجود ہو اور جو اپنے حقوق کو سمجھتی ہو، اپنی تہذیب کو جانتی ہو، اس کی خصوصیات کو پہچانتی ہو، اس کی حفاظت کا ناقابل تسخیر ارادہ رکھتی ہو اور انفرادی اور جماعتی حیثیت میں مدافعت کے لئے ہر وقت سینہ سپر ہو۔ یہ صفات اگر آپ کی قوم میں موجود ہیں، تو آپ کو کسی آئینی ضمانت اور کسی دستوری تحفظ کی بھی ضرورت نہیں اور اگر آپ کی قوم ان صفات سے عاری ہے تو یقین رکھئے کہ کوئی ضمانت اور کوئی تحفظ ایسی حالت میں کارآمد نہیں ہو سکتا۔ آپ دستور اساسی کی ضمانتوں کو زیادہ سے زیادہ خارجی حملوں کے مقابلہ میں استعمال کر سکتے ہیں۔ مگر اندرونی انقلاب کا آپ کے پاس کیا علاج ہے؟ مثال کے

طور پر فرض کیجئے کہ کل مخلوط تعلیم شروع ہوتی ہے اور آپ کی قوم کے افراد خود اپنی مرضی سے دھڑا دھڑ اپنی لڑکیوں اور لڑکوں کو مخلوط مدارس میں بھیجتے ہیں۔ کونسا دستوری تحفظ اس تحریک کو اور اس کے زہریلے نتائج کو روکنے کے لئے استعمال کیا جائیگا؟ فرض کیجئے کہ سول میرج کے طریقہ پر مخلوط نکاحوں کا رواج پھیلتا ہے اور آپ کی قوم خود اس تحریک سے متاثر ہوکر ہندو مسلمانوں میں شادیاں ہوجاتی ہیں، کونسی آئینی ضمانت اس کی روک تھام کرسکے گی؟ فرض کیجئے کہ آپ کی قوم میں پروپیگنڈا کی قوت اور تعلیم کے وسائل سے ایک ایسی رائے عام تیار کردی جاتی ہے جو قوانین اسلامی میں ترمیم و تنسیخ پر راضی ہو، آپ کی اپنی قوم کے افراد ایسے قوانین کی حفاظت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں جو اصول اسلام کے خلاف ہوں خود آپ ہی کے ووٹوں کی اکثریت سے ایسی تجویزیں پاس ہوجاتی ہیں جو آپ کے تمدن کو اسلامی شاہراہوں سے ہٹادینے والی ہوں۔ وہ کون سے "بنیادی حقوق" ہیں جن کا واسطہ دے کر آپ ان چیزوں کو منسوخ کراسکیں گے؟ فرض کیجئے کہ آپ کی قوم بتدریج ہمسایہ اقوام کے طرز معاشرت، آداب و اطوار، عقائد و افکار کو قبول کرنا شروع کرتی ہے اور اپنے قومی امتیازات کو خود بخود مٹانے لگتی ہے، کونسا کاغذی عہدنامہ اس تدریجی انجذاب و ارتداد کی روک تھام کرسکے گا؟ آپ اس کے جواب میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ سب تمہارے خیالی مفروضات ہیں۔ اس لئے کہ جو مسلمان اس وقت وطنی تحریک میں شامل ہیں، ان کے نمونے آپ کے سامنے موجود ہیں۔ دیکھ لیجئے کہ ان کا طرز عمل انگریز کے غلاموں سے کچھ بھی مختلف نہیں۔ وہی ذہنی غلامی، وہی زنانہ اثر پذیری، وہی دوسروں میں جذب ہوجانے کا ذوق، یہاں بھی نمایاں ہے جو آستانہ فرنگ کے طواف کرنے والوں میں موجود ہے۔ پھر جب اپنی قوم کی کمزوری اور اس کی موجودہ مزاجی کیفیت کے یہ کھلے ہوئے نشانات و اثرات آپ کی آنکھیں دیکھ رہی ہیں تو آخر کس بھروسہ پر آپ ساری قوم کو اُدھر لے جانا چاہتے

ہیں؟ فرمایئے تو سہی کہ آپ نے باطنی انقلاب اور تدریجی انجذاب کو روکنے کے لئے کونسا تحفظ فراہم کر رکھا ہے؟

متحدہ حرکت کی ضرورت

مسلمانوں میں اس وقت زیادہ ترتین گروہ پائے جاتے ہیں۔ ایک گروہ آزادی وطن کیلئے بے چین ہے اور کانگرس کی طرف کھنچ رہا ہے یا کھنچ گیا ہے۔ دوسرا گروہ اپنی قومی تہذیب اور اپنے قومی حقوق کی حفاظت کے لئے انگریز کی گود میں جانا چاہتا ہے اور آیندہ انقلاب کے خطرہ سے بچنے کی یہی صورت مناسب سمجھتا ہے کہ سرکار برطانیہ کا معاون بن کر آزادی کی تحریک کو روکے۔ تیسرا گروہ عالم حیرت میں کھڑا ہے اور خاموشی کے ساتھ واقعات کی رفتار کو دیکھ رہا ہے۔

ہمارے نزدیک یہ تینوں گروہ غلطی پر ہیں۔ پہلے گروہ کی غلطی ہم نے اوپر واضح کر دی (وہ انقلاب کے نتائج واثرات کو سمجھے بغیر یا ان نتائج سے اپنی قوم کو بچانے کا انتظام کئے بغیر کانگرس میں شامل ہو رہا ہے) دوسرے گروہ کی غلطی بھی کچھ کم خطرناک نہیں، یہ لوگ اپنی کمزوریوں کی اصلاح کرنے کی بجائے دوسروں کی ترقی کو روکنا چاہتے ہیں اور یہ سمجھ رہے ہے کہ ان کے ضعف کی تلافی انگریزوں کا سہارا لینے سے ہو جائے گی، ایسی ذلیل پالیسی دنیا میں نہ کبھی کامیاب ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے، جو قوم خود زندہ رہنے کی طاقت نہ رکھتی ہو، جس میں خود اپنے وجود اور اپنے حقوق کی حفاظت کا بل بوتا نہ ہو، وہ کب تک دوسروں کے سہارے پر جی سکتی ہے؟ کب تک کوئی سہارا اس کے لئے قائم رہ سکتا ہے؟ کب تک زمانے کے انقلابات اس کی خاطر رکے رہ سکتے ہیں؟ انگریز قیامت تک کے لئے ہندوستان پر حکومت کرنے کا پٹہ لکھوا کر نہیں لایا ہے۔ ہر قوم کے لئے ایک مدت ہوتی ہے۔ انگریز کے لئے بھی بہر حال ایک مدت ہے اور آج نہیں تو کل پوری ہوگی،

اس کے بعد وہی قوم برسر اقتدار آئے گی جس میں ہمت اور طاقت ہوگی، حاکمانہ اوصاف ہوں گے، عزائم اور حوصلے ہوں گے، صلابت اور عصبیت ہوگی۔ اگر تم میں یہ اوصاف ہوں تو وہ قوم تم ہو سکتے ہو اور اگر تم ان سے عاری ہو تو بہر حال تمہاری قسمت میں محکومی کی ذلت اور ذلت کی موت ہی ہے۔ جو گھن کھائی ہوئی لاش کسی عصا کے سہارے پر کھڑی ہو، وہ ہمیشہ کھڑی نہیں رہ سکتی۔ عصا کبھی نہ کبھی ہٹ کر رہے گا اور لاش کبھی نہ کبھی گر کر رہے گی۔

تیسرے گروہ کی غلطی سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ یہ دنیا ایک عرصۂ جنگ ہے جس میں تنازع للبقا کا سلسلہ جاری ہے۔ اس معرکہ میں ان کے لئے کوئی کامیابی نہیں جو زندہ رہنے کے لئے مقابلہ اور مزاحمت کی قوت نہ رکھتے ہوں۔ خصوصیت کے ساتھ ایک دور کے خاتمہ اور دوسرے دور کے آغاز کا وقت تو قوموں کی قسمتوں کے فیصلہ کا وقت ہوتا ہے۔ ایسے وقت پر سکون اور جمود کے معنی ہلاکت اور موت کے ہیں۔ اگر تم خود ہی مرنا چاہتے ہو تو بیٹھے رہو اور اپنی موت کی آمد کا تماشہ دیکھتے جاؤ۔ لیکن اگر زندہ رہنے کی خواہش ہے تو سمجھ لو کہ اس وقت ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ یہ سستی رفتار کا زمانہ نہیں ہے۔ صدیوں کے تغیرات اب مہینوں اور برسوں میں ہو جاتے ہیں۔ جس انقلاب کے سامان اس وقت ہندوستان اور ساری دنیا میں ہو رہے ہیں، وہ طوفان کی سی تیزی کے ساتھ آ رہا ہے۔ اب تمہارے لئے زیادہ سے زیادہ دس پندرہ سال کی مہلت ہے اگر اس مہلت میں تم نے اپنی کمزوریوں کی تلافی نہ کی اور زندگی کی طاقت اپنے اندر پیدا نہ کی تو پھر کوئی دوسری مہلت تمہیں نہ ملے گی اور تم وہی سب کچھ دیکھو گے جو دوسری قومیں اس سے پہلے دیکھ چکی ہیں۔ اللہ کا کسی قوم کے ساتھ رشتہ نہیں ہے کہ وہ اس کی خاطر اپنی سنت کو بدل ڈالے۔

مسلمانوں کا نصب العین

آزاد ہندوستان میں آزاد اسلام!

سلسلہ کلام کو آگے بڑھانے سے پہلے ایک بات کی توضیح ضروری معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس بحث میں ہمارے مخاطب صرف وہی لوگ ہیں جو مسلمان کی حیثیت سے مرنا اور جینا چاہتے ہیں اور جن کی نگاہ میں زندگی کے تمام مسائل سے زیادہ اہم اور اقدم سوال یہ ہے کہ ہندوستان میں اسلام نہ صرف قائم اور باقی رہے، بلکہ اس کو عزت اور طاقت بھی حاصل ہو۔ باقی رہے وہ لوگ جو وقت کے مسائل کو صرف ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے دیکھتے ہیں اور جنکی نگاہ میں مسلمان ہونا یا نہ ہونا کوئی اہمیت نہیں رکھتا اور جو سیاسی و معاشی فلاح کو دوسرے تمام مسائل پر مقدم رکھتے ہیں، تو وہ سرے سے ہمارے مخاطب ہی نہیں ہیں۔ لہذا ان کا ہم سے بحث کرنا بالکل فضول ہے۔ ہمارے اور اُن کے درمیان کوئی مشترک بنیاد نہیں ہے۔ وہ ایک جہاز کے مسافر ہیں اور ہم دوسرے جہاز کے۔ ان کو صرف ہندوستانی کی حیثیت سے سیاسی آزادی اور معاشی استقلال کی ضرورت ہے، عام اس سے کہ وہ مسلمان رہیں یا نہ رہیں۔ بخلاف اس کے ہمارے لئے مسلمان رہنے کا سوال ہی اصل سوال ہے اور ہندوستان کی آزادی ہم اس لئے اور اس شرط پر چاہتے ہیں کہ وہ اس سرزمین پر اسلام کی عزت قائم کرنے میں مددگار ہو۔ پس جو مسلمان سیاسی معاملات میں حصہ لے رہے ہیں، ان کے درمیان سب سے پہلے یہی امتیاز قائم ہونا چاہئے کہ وہ ان دونوں راستوں میں سے کس راستہ کے مسافر ہیں؟ جو لوگ "ہندوستانیت" کی راہ کے ہیں، وہ اپنی راہ پر جائیں، ہمیں ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہم ان سے صرف اتنا کہیں گے کہ براہ کرم منافقت چھوڑ دو اور اپنی پوزیشن صاف طور پر ظاہر کردو تاکہ کوئی

دھوکہ نہ کھائے اور جو لوگ "اسلامیت" کی راہ پر ہیں وہ ہمارے ہم سفر ہیں۔ ہماری اور ان کی منزل مقصود ایک ہے۔ معرض بحث میں صرف یہ سوال ہے کہ اس منزل کی طرف جانے کے لئے صحیح راستہ کونسا ہے؟ وہ جس راستہ کو صحیح سمجھتے ہیں ان کا صحیح ہونا ثابت کر دیں، ہم دل و جان سے ان کے ساتھ ہیں۔ لیکن اگر وہ راستہ غلط ہے تو پھر اخلاص کا اقتضا یہ ہے کہ وہ اس راستہ کی طرف آئیں جس کا صحیح ہونا ثابت کر دیا جائے۔ کم از کم دین و ملت کے معاملہ میں مسلمان کے اندر نفسانیت اور کبر و عجب نہ ہونا چاہیئے۔ کسی حق پرست کا یہ کام نہیں کہ وہ کسی طریقہ پر صرف اس لئے اڑا رہے کہ وہ اس پر چل پڑا ہے اور اب پلٹنے میں اس کی عزت (جھوٹی عزت) کو ٹھیس لگتی ہے۔

ہماری منزل مقصود

ہماری منزل مقصود جیسا کہ اشارۃً اوپر عرض کر دیا گیا، صاف اور واضح طور پر یہ ہے کہ ہندوستان میں اسلام نہ صرف قائم رہے، بلکہ عزت اور طاقت والا بن جائے۔ آزادی ہند ہمارے نزدیک مقصود بالذات نہیں بلکہ اصل مقصد کیلئے ایک ضروری اور ناگزیر وسیلہ ہونے کی حیثیت سے مقصود ہے۔ ہم صرف اس آزادی کے لئے لڑنا چاہتے ہیں، بلکہ صحیح تر یہ ہے کہ اپنے مذہب کی رُو سے لڑنا فرض جانتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہو کہ یہ ملک کلیتاً نہیں تو ایک بڑی حد تک دارالاسلام بن جائے۔ لیکن اگر آزادی ہند کا نتیجہ یہ ہو کہ یہ جیسا دارالکفر ہے، ویسا ہی رہے یا اس سے بدتر ہو جائے تو ہم بلا کسی مداہنت کے صاف صاف کہتے ہیں کہ ایسی آزادی وطن پر ہزار مرتبہ لعنت ہے اور اس کی راہ میں بولنا، لکھنا، روپیہ صرف کرنا، لاٹھیاں کھانا اور جیل جانا سب کچھ قطعی حرام ہے۔

یہ ایسی صاف بات ہے جس میں دو رائیں ہونے کی کوئی گنجائش ہی نہیں خصوصاً جو شخص قرآن اور سنت پر نظر رکھتا ہے اور منافق نہیں ہے وہ تو اس کے برحق ہونے میں

چون و چرا نہیں کرسکتا۔ **منزل مقصود کا کم تر درجہ**

منزل مقصود کا انتہائی مقام یعنی ہندوستان کو کلیتہً دارالاسلام بنانا تو اتنا بلند مقام ہے کہ آج کل کا کم ہمت مسلمان اس کا قصد کرنے کی جرأت اپنے اندر نہیں پاتا، خیر جانے دیجئے اسکو۔ اس درجے سے کم تر درجے ہیں جس مقصد کے لئے ہم کو لڑنا چاہیئے وہ کم سے کم یہ ہے کہ ہندوستان نہ تو بیرونی کفار کے تسلط میں رہے اور نہ اندرونی کفار کے کامل تسلط میں چلا جائے، بلکہ آزاد ہو کر شبہ دارالاسلام بن جائے۔

اگر کوئی شخص شبہ دارالاسلام کے معنی یہ سمجھتا ہے کہ مسلمانوں کے سے نام رکھنے والوں کو اسمبلیوں اور کونسلوں کی نشستیں اور سرکاری عہدے مل جائیں اور ہندوستان کے معاشی ثمرات میں ان کو بھی متناسب حصہ ملے اور آزاد ہندوستان کی تمام عمرانی ترقیات سے (خواہ وہ ترقیات کسی صورت میں ہوں) انہیں بلا امتیاز مستفید ہونے کا موقع ملے تو ہم کہیں گے کہ وہ غلطی پر ہے۔ ہم جس چیز کو شبہ دارالاسلام سمجھتے ہیں اور جو چیز درحقیقت اس نام سے موسوم ہوسکتی ہے کہ ہندوستان کی حکومت میں ہم محض "ہندوستانی" ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ "مسلمان" ہونے کی حیثیت سے حصہ دار ہوں اور ہمارا یہ حصہ اس حد تک طاقتور ہو کہ وہ تین شرائط پوری کرسکے۔

شرط اوّل یہ ہے کہ ہم اپنی قوم کی تنظیم اصول اسلامی کے مطابق کرسکیں یعنی ہم کو حکومت کے ذریعہ سے اتنی قوت حاصل ہو کہ ہم مسلمانوں کے لئے اسلامی تعلیم و تربیت کا انتظام کرسکیں، ان کے اندر غیر اسلامی طریقوں کے رواج کو روک سکیں، ان پر اسلامی احکام جاری کرسکیں اور اپنی قوم میں جو اصلاحات ہم خود اپنے طریق پر نافذ کرنے کی ضرورت سمجھیں ان کو خود اپنی طاقت سے نافذ کرسکیں، مثلاً زکوٰۃ کی تحصیل، اوقاف کی تنظیم، قضاء شرعی کا قیام، قوانین معاشرت کی اصلاح وغیرہ۔

شرط دوم یہ ہے کہ ہم اس ملک کے نظم و نسق اور اس کی تمدنی و معاشی تعمیر جدید میں اپنا اثر اس طرح استعمال کر سکیں کہ وہ ہمارے تمدن و تہذیب کے خلاف نہ ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ وسیع پیمانہ پر تمام ملک کی اجتماعی زندگی اور معاشی تنظیم اور تدبیر مملکت کی مشین جو شکل بھی اختیار کرے گی اس کا اثر دوسری قوموں کی طرح ہماری قوم پر بھی پڑیگا۔ اگر یہ تعمیر جدید اس نقشہ پر ہو جو اپنے اصول و فروع میں کلیتہً ہماری تہذیب کی ضد ہے تو ہماری زندگی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ ایسی صورت میں ہمارے لئے ضروری ہو جائیگا کہ یا تو ہم تمدن و معیشت کے اعتبار سے غیر مسلم بن جائیں، یا پھر ہماری حیثیت اس ملک میں تمدنی و معاشی اچھوتوں کی سی ہو کر رہ جائے۔ اس نتیجہ کو صرف اسی طرح روکا جا سکتا ہے کہ ہند جدید کی تشکیل پر ہم اپنا اثر کافی قوت کیساتھ ڈال سکیں۔

شرط سوم یہ ہے کہ ہندوستان کی سیاسی پالیسی میں ہمارا اتنا اثر ہو کہ اس ملک کی طاقت کسی حال میں بیرون ہند کی مسلمان قوموں کے خلاف استعمال نہ کی جا سکے۔

جداگانہ وجود کی حفاظت کی ضرورت

یہ مقصد جس کی ہم نے توضیح کی ہے وہ کم سے کم چیز ہے جس کے لئے ہم کو لڑنا چاہیے مدافعت کا پہلو صرف کمزور اختیار کرتے ہیں اور اُن کا آخری انجام شکست ہے۔ اگر آپ اپنا مقصد صرف اُن حقوق کے حصول کو بتاتے ہیں جن کا اطمینان کانگرس نے اپنے "بنیادی حقوق" والے ریزولیشن میں دلایا ہے تو آپ دھوکے میں ہیں۔ آپ کی تہذیب زبان، پرسنل لاء اور مذہبی حقوق کا تحفظ بھی (جسے آپ کافی سمجھے بیٹھے ہیں) دراصل اس کے بغیر ممکن نہیں کہ آپ فارورڈ پالیسی اختیار کر کے اور خود پیشقدمی شروع کر کے حکومت کی تشکیل میں طاقتور حصہ دار بننے کی کوشش کریں۔ اس میں اگر آپ نے غفلت کی اور حکومت کا اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں چلا گیا جو مسلمان نہیں ہیں تو

یقین رکھئے کہ کوئی کانسٹی ٹیوشن آپ کی جداگانہ اسلامی ہستی کو ہلاک ہونے سے نہ بچا سکیگا۔ انگریزی حکومت نے بھی آپ کے بہت سے حقوق تسلیم کر رکھے ہیں، مگر غور کیجئے وہ کیا چیز ہے جس نے آپ کو خود اپنے حقوق سے دست بردار کرا دیا ؟ انگریز نے آپ سے یہ کبھی نہیں کہا کہ اپنی زبان میں لکھنا پڑھنا اور بولنا سب چھوڑ دو اور میری زبان اختیار کرلو؟ پھر کیا چیز ہے جس نے آپ کی قوم کے ہزاروں لاکھوں افراد کو اپنی زبان سے بیگانہ بنا دیا اور انگریزی کا اتنا غلام بنایا کہ وہ اپنے گھروں میں اپنی بیویوں اور بچوں تک سے انگریزی بولنے لگے ؟ انگریز نے آپ سے یہ کبھی نہیں کہا کہ تم نماز روزہ چھوڑ دو، زکوٰۃ نہ دو، شراب پیو اور مذہب کے سارے احکام کو نہ صرف بالائے طاق رکھدو بلکہ ان کا مذاق تک اڑاؤ۔ پھر کس چیز نے آپ کی قوم کے لاکھوں کروڑوں افراد کو ایک صدی کے اندر اندر اپنے دین و ایمان سے عملاً منحرف کر ڈالا؟ انگریز نے آپ سے یہ کبھی نہیں مطالبہ کیا کہ اپنی معاشرت بدل دو، اپنا لباس بدل دو، اپنے مکان کے نقشے بدل دو، اپنے آداب و اخلاق بدل دو، اپنی صورتیں بگاڑ دو، اپنے بچوں کو انگریز بناؤ، اپنی عورتوں کو میم صاحب بناؤ، اپنے تمدن اور اپنی تہذیب کے سارے اصول چھوڑ کر پوری زندگی ہمارے نقشے پر ڈھال لو، پھر وہ کونسی چیز ہے جس نے آپ سے یہ سب کچھ کرا ڈالا ؟ ذرا دماغ پر زور ڈال کر سوچئے۔ کیا اس کا سبب غیر مسلم اقتدار کے سوا اور بھی کچھ ہے ؟ ڈھائی تین لاکھ انگریز چھ ہزار میل دور سے آتے ہیں۔ آپ سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔ قصداً آپ کے اندرونی معاملات اور آپ کے تمدنی و معاشرتی مسائل میں دخل دینے سے پرہیز کرتے ہیں۔ پھر بھی ان کے اقتدار کا یہ اثر ہوتا ہے کہ بیرونی جبر سے نہیں بلکہ اندرونی انقلاب سے آپ کی کایا پلٹ ہو جاتی ہے اور آپ خود بخود اپنے ان بنیادی اور فطری حقوق تک سے دستبردار ہو جاتے ہیں جن کو کوئی حکومت اپنی رعایا سے نہیں چھینتی اور نہیں چھین سکتی۔ اب ذرا اندازہ لگائیے کہ اگر آزاد ہندوستان کی

حکومت، غیر اسلامی نقشہ پر بن گئی اور اس کا اقتدار ان ہندوستانیوں کے ہاتھ میں چلا گیا
جو مسلمان نہیں ہیں، تو اس کے اثرات کیا ہوں گے؟ وہ انگریزوں کی طرح قلیل التعداد
بھی نہیں، آپ سے الگ تھلگ رہنے والے بھی نہیں اور غیر ملکی بھی نہیں ہیں کہ
سیاسی پالیسی ان کو تمدنی و معاشرتی مسائل میں دخل دینے سے روکے۔ ان کے اقتدار
میں آپ کے اندرونی تحول و انقلاب کا کیا حال ہوگا اور کانسٹی ٹیوشن کی کون کونسی
دفعات آپ کو خود اپنے حقوق کی پامالی سے روکیں گی؟

متحدہ جہاد کی ضرورت

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں، مسلمانوں کیلئے ایسی آزادی وطن کیلئے لڑنا
تو قطعی حرام ہے جس کا نتیجہ انگلستانی غیر مسلموں سے ہندوستانی غیر مسلموں کی طرف اقتدار
حکومت کا انتقال ہو۔ پھر ان کے لئے یہ بھی حرام ہے کہ اس انتقال کو روکنے کے لئے
انگلستانی غیر مسلموں کا اقتدار قائم رکھنے میں معاون بن جائیں۔ اسلام ہم کو ان تینوں
راستوں پر جانے سے روکتا ہے۔ اب اگر ہم مسلمان رہنا چاہتے اور ہندوستان میں اسلام
کا وہ حشر دیکھنے کے لئے تیار نہیں ہیں جو اسپین اور سسلی میں ہو چکا ہے تو ہمارے لئے
صرف ایک ہی راستہ باقی ہے اور وہ یہ کہ ہم آزادی ہند کی تحریک کا رُخ حکومت کفر
کی طرف سے حکومت حق کی طرف پھیرنے کی کوشش کریں اور اس غرض کے لئے
ایک سرفروشانہ جنگ پر کمر بستہ ہو جائیں جس کا انجام یا کامیابی ہو یا موت ؎

یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

خلاصہ بحث یہ ہے کہ وطن پرست کے نصب العین سے ہمارا نصب العین مختلف
ہے۔ وہ صرف ایسی آزادی چاہتا ہے جس کا نتیجہ "ہندوستانی" کی نجات ہو اور ہم وہ
آزادی چاہتے ہیں جس کا نتیجہ "ہندوستانی" کے ساتھ "مسلم" کی نجات بھی ہو۔

اسلامی نصب العین کے حصول کا طریق

مجاہدین اسلام کے کام کی بنیادیں اور طریقۂ جنگ کی تشخیص

آج ہم کو اس سوال پر غور کرنا ہے کہ ہندوستان میں اسلامی قومیت کا نصب العین کس طریقہ سے حاصل ہو سکتا ہے؟

مسلمانوں کی دو حیثیتیں اور دونو حیثیتوں کی حفاظت کی ضرورت

ہندوستان میں ہماری دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت ہمارے "ہندوستانی" ہونے کی اور دوسری حیثیت "مسلمان" ہونے کی ہے۔

پہلی حیثیت میں ہم اس ملک کی تمام دوسری قوموں کے شریک حال ہیں۔ ملک افلاس اور فاقہ کشی میں مبتلا ہوگا تو ہم بھی فاقہ کش اور مفلس ہوں گے۔ ملک کو لوٹا جائیگا تو ہم بھی سب کے ساتھ لوٹے جائیں گے۔ ملک میں جور و ظلم کی حکومت ہوگی تو ہم بھی اسی طرح پامال ہوں گے جس طرح ہمارے اہل وطن ہوں گے۔ ملک پر غلامی کی وجہ سے بحیثیت مجموعی جتنی مصیبتیں نازل ہوں گی، جتنی لعنتیں برسیں گی، ان سب میں ہم کو برابر کا حصہ ملیگا۔ اس لحاظ سے ملک کے جتنے سیاسی اور معاشی مسائل ہیں، وہ سب کے سب ہمارے اور دوسری اقوام ہند کے درمیان مشترک ہیں۔ جس طرح ان اقوام کی فلاح و بہبود ہندوستان کی آزادی کے ساتھ وابستہ ہے، اسی طرح ہماری بھی ہے۔ سب کے ساتھ ہماری بہتری بھی اس پر منحصر ہے کہ یہ ملک ظالموں کے تسلط سے آزاد ہو، اس کے وسائل ثروت ملکی باشندوں کی بہتری اور ترقی پر صرف ہوں اور تمام اہل ہند کو اپنے افلاس، اپنی جہالت، اپنی اخلاقی پستی اور اپنی تمدنی پس ماندگی کا علاج کرنے میں اپنی قوتوں سے کام لینے کے پورے مواقع حاصل ہوں اور کوئی جابر قوم ان کو اپنی ناجائز اغراض

کے لئے آلہ کار بنانے پر قادر نہ رہے۔

دوسری حیثیت میں ہمارے مسائل کچھ اور ہیں جن کا تعلق صرف ہم ہی سے ہے۔ کوئی دوسری قوم ان میں ہماری شریک نہیں ہے۔ غیر مسلم کے غلبے نے ہماری قومی تہذیب کو، ہمارے قومی اخلاق کو، ہمارے اصول حیات کو، ہمارے نظام جماعت کو زبردست نقصان پہنچایا ہے۔ ڈیڑھ سو برس کے اندر غلامی ان بنیادوں کو گھن کی طرح کھا گئی ہے جن پر ہماری قومیت قائم ہے۔ تجربے نے ہم کو بتا دیا ہے اور روزِ روشن کی طرح اب ہم اس حقیقت کو دیکھ رہے ہیں کہ اگر یہ صورت حال زیادہ مدت تک جاری رہی تو ہندوستان کی اسلامی قومیت رفتہ رفتہ گھل گھل کر طبعی موت مرجائے گی اور یہ برائے نام ڈھانچہ جو باقی رہ گیا ہے، یہ بھی باقی نہ رہے گا۔ اس حکومت کے اثرات ہم کو اندر ہی اندر غیر مسلم بناتے جا رہے ہیں، ہمارے دل و دماغ کی تہوں میں وہ جڑیں سوکھتی چلی جا رہی ہیں جن سے اسلامیت کا درخت پیدا ہوتا ہے۔ ہم کو وہ نشہ پلایا جا رہا ہے جو ہماری ماہیت کو بدل کر خود ہمارے ہی ہاتھوں سے ہماری مسجد کو منہدم کرا دے۔ جس رفتار کے ساتھ ہم میں تغیرات ہو رہے ہیں، ان کو دیکھتے ہوئے ایک عقلمند آدمی اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس عمل کی تکمیل اب بہت قریب آگئی ہے۔ زیادہ سے زیادہ تیسری، چوتھی پشت تک پہنچتے پہنچتے ہمارا سواد اعظم خود بخود غیر مسلم بن جائیگا اور شائد گنتی کے چند نفوس اس عظیم الشان قوم کے مقبرے پر آنسو بہانے کے لئے باقی رہ جائیں گے۔ پس ہماری قومیت کا بقا و تحفظ اس پر منحصر ہے کہ ہم اس حکومت کے تسلط سے آزاد ہوں اور اس نظام اجتماعی کو از سر نو قائم کریں جس کے مٹ جانے ہی کی بدولت ہم پر یہ مصائب نازل ہوئے ہیں۔

آزادیٔ وطن کا راستہ صرف ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے اختیار نہ کرو

ہماری یہ دونوں حیثیتیں ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں اور ان کو نہ عقلاً جدا کیا جا سکتا ہے، نہ عملاً۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ آزادی ان دونوں حیثیتوں سے ہماری مقصود ہے۔ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ہندوستانی کی حیثیت سے جتنے بھی مسائل ہمارے اور دوسرے تمام باشندگان ہند کے درمیان مشترک ہیں، ان کو حل کرنے کے لئے مشترک طور پر ہی جدوجہد کرنی چاہیئے اور یہ بھی سراسر درست ہے کہ مسلم ہونے کی حیثیت سے جو آزادی ہم چاہتے ہیں، وہ بہتر طور ہمیں اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جبکہ ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے آزادی حاصل ہو جائے لیکن یہ برابری اور ہم آہنگی جو ظاہراطور پر مذکورہ بالا حیثیتوں میں نظر آرہی ہے، اس میں ایک بڑا دھوکا چھپا ہوا ہے۔ اور درحقیقت اسی مقام پر بہت سوں نے دھوکا کھایا ہے۔

گہری نگاہ سے آپ دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ کوئی سیدھی سڑک نہیں ہے جس پر آنکھیں بند کرکے بے تکان چلے جائیں۔ ٹھیک اسی مقام پر جہاں آپ آکر ٹھیرے ہیں ایک دوراہہ موجود ہے۔ دو سڑکیں بالکل مختلف سمت پر جا رہی ہیں اور آپ کو قدم اٹھانے سے پہلے عقل وتمیز سے کام لے کر فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے کہ جانا کدھر چاہیئے؟

آزادیٔ وطن کا ایک راستہ وہ ہے جس کو ہم صرف ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے اختیار کر سکتے ہیں، اس راہ کے بنانے والے اور اس پر ہندوستان کو چلانے والے وہ لوگ ہیں، جن کے پیش نظر "وطنی قومیت" کا مغربی تصور ہے اور اس تصور کی تہ میں انسانیت کا ہندو تصور گہرا جما ہوا ہے۔ ان کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ ہندوستان میں مختلف قومی امتیازات جو مذہب اور تہذیب کی تفریق پر قائم ہیں، مٹ جائیں اور سارا ملک ایک قوم بن جائے۔ پھر اس "قوم" کی زندگی کا جو نقشہ ان کے سامنے ہے، وہ اشتراکیت اور ہندویت سے مرکب ہے اور اس میں مسلمانوں کے اصول حیات کی رعایت تو درکنار، اس کے لئے کوئی ہمدردانہ نقطۂ نظر بھی نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ رعایت جس کی گنجائش وہ اس "ہندی قومیت" میں نکال سکتے ہیں، وہ یہ ہے کہ جن معاملات کا تعلق انسان اور خدا کے مابین ہے ان میں

ہر گروہ کو اعتقاد اور عمل کی آزادی حاصل رہے مگر جو معاملات انسان اور انسان کے درمیان ہیں، اُن کو وہ خالص وطنیت کی بنیاد پر دیکھنا چاہتے ہیں لیکن منضبط مذہب کا وجود یعنی ایسا مذہب ان کے نزدیک اصولاً قابل اعتراض ہے جو اپنے متبعین کو ایک مستقل قوم بناتا ہو اور اس کی تعلیم، معیشت، تمدن، اخلاق اور تہذیب میں دوسرے مذاہب کے متبعین سے الگ ایک ڈھنگ اختیار کرنے اور ایک ضابطہ کی پابندی کرنے پر مجبور کرتا ہو۔ وہ ہندوستان کے موجودہ حالات کی رعایت ملحوظ رکھکر کچھ مدت تک اس قسم کے "منظم مذہب" کو ایک محدود اور دھندلی سی شکل میں باقی رکھنا گوارا کرلیں گے، چنانچہ اسی گوارا کرلینے کے انداز میں ہندوستان کے مختلف فرقوں کو ان کی زبان اور پرسنل لاء کے تحفظ کا یقین دلایا ہے مگر وہ کسی ایسے نظام کو برداشت نہیں کر سکتے جو اس "منظم مذہب" کو مزید طاقت اور مستقل زندگی عطا کرنے والا ہو، بلکہ اس کے برعکس وہ ہندوستان جدید کی تعمیر اس طرز پر کرنا چاہتے ہیں جس میں یہ "منظم مذہب" رفتہ رفتہ مضمحل ہو کر طبعی موت مر جائے اور ہندو کی ساری آبادی ایک ایسی قوم بن جائے جس میں سیاسی پارٹیوں اور معاشی گروہوں کی تفریق تو چاہے کتنی ہی کیوں نہ ہو، مگر تعلیم و تہذیب، تمدن و معاشرت، اخلاق و آداب اور دوسری حیثیات سے سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے ہوں اور وہ رنگ قطعاً وہی ہونا چاہئے جو اس تحریک کے محرکوں کا رنگ ہے۔

کانگرسی رہنما ہماری اسلامی حیثیت اور اسلامی وجود کی قربانی چاہتے ہیں

یہ راستہ جس کی خصوصیات کو آج ایک اندھا بھی دیکھ سکتا ہے، ہم صرف اُسی وقت اختیار کر سکتے ہیں جب کہ ہم اپنی دوسری حیثیت کو قربان کرنے پر راضی ہو جائیں اس راستہ پر چل کر ہم کو وہ آزادی حاصل نہیں ہو سکتی جو ہمیں مسلمان ہونے کی حیثیت سے درکار ہے بلکہ اس راستہ میں سرے سے ہماری یہ حیثیت ہی گم ہو جاتی ہے۔ اس کو اختیار

کرنے کے معنی یہ ہیں کہ انگریزی حکومت کے ماتحت جس انقلاب کا عمل ڈیڑھ سو برس سے ہماری قوم میں ہو رہا ہو، وہ ہندوستانی حکومت کے ماتحت اور زیادہ شدت و سرعت کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچے اور اس کی تکمیل میں ہم خود مددگار بنیں اور وہ اتنا مکمل انقلاب ہو کہ پھر اس کے ردِ عمل کا کوئی امکان نہ رہے۔ انگریزی حکومت کے اثر سے مغربی تہذیب میں خواہ ہم کتنے ہی جذب ہو جائیں، بہرحال انگریزی قومیت میں جذب نہیں ہو سکتے۔ بہرحال ہمارا ایک اجتماعی وجود باقی رہتا ہے جس کا پھر اپنی سابقہ صورت پر واپس ہونا ممکن ہے لیکن یہاں تو صورت حال ہی دوسری ہے۔ ایک طرف ہمارے ہر امتیازی نشان، حتیٰ کہ ہمارے احساس قومیت تک کو "فرقہ پرستی" قرار دے کر اس کے خلاف نفرت انگیز پروپیگنڈا کیا جاتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ایک مستقل جماعت کی حیثیت سے ہمارا وجود ناقابل برداشت ہے۔ دوسری طرف ہماری قوم کے ان لوگوں کو "قوم پرور" کہا جاتا ہے جو ہاتھ جوڑ کر نمستے کرتے ہیں، "بندے ماترم" کے نعرے لگاتے ہیں، مندروں میں پہنچکر عبادت تک میں حصہ لے گذرتے ہیں اور لباسوں میں پورا ہندویت کا رنگ اختیار کرتے ہیں اور مسلمان قوم کے مفاد کا نام تک لیتے ہوئے انہیں ڈر لگتا ہے کہ مبادا ان پر فرقہ پرستی کا الزام آجائے جو ان کے نزدیک کفر کے الزام سے زیادہ بد تر ہے۔ تیسری طرف ہم سے صاف کہا جاتا ہے کہ ایک جماعت بن کر نہ آؤ جدا جدا بلکہ افراد بن کر آؤ اور کانگرس میں شامل ہو جاؤ، سیاسی پارٹیوں، مزدور اور سرمایہ دار کی تفریق، زمیندار اور کسان کی تقسیم، زر والے اور بے زر کے تنازع میں منقسم ہو جاؤ۔ بالفاظ دیگر اس رشتے کو خود ہی کاٹ دو جو مسلم اور مسلم میں ہوتا ہے اور اس رشتہ میں بندھ جاؤ جو ایک پارٹی کے مسلم و غیر مسلم ممبروں میں ہوتا ہے اس کا نتیجہ جو کچھ ہے، اسے سمجھنے کے لئے کچھ بہت زیادہ عقل و فکر کی ضرورت نہیں۔ اس کا کھلا ہوا نتیجہ یہ ہے کہ تحریک آزادی وطن کے دوران ہی میں ہمارا اجتماعی وجود فنا

بھی ہو جائے، اور ہم جدا جدا قطروں کی شکل اختیار کر کے جدید نیشنلزم کی خاک میں جذب ہو جائیں۔ پھر بحیثیت مسلمان قوم کے آپ اپنی نشاۃ ثانیہ کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔

جو لوگ صرف ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے آزادی چاہتے ہیں اور جن کی نگاہ میں اس آزادی کے منافع اس قدر قیمتی ہیں کہ اپنی اسلامی حیثیت کو وہ بخوشی ان پر قربان کر سکتے ہیں، وہ اس راستہ پر ضرور جائیں مگر ہم یہ تسلیم کرنے سے قطعی انکار کرتے ہیں کہ کوئی سچا مسلمان ایسی تحریک آزادی وطن میں جان بوجھ کر حصہ لینا گوارا کرے گا۔

آزادی وطن کا دوسرا راستہ

آزادیٔ وطن کا دوسرا راستہ صرف وہی ہو سکتا ہے جس میں کسی باشندۂ ہند کے ہندوستانی ہونے کی حیثیت اور اس کے مسلم یا ہندو یا عیسائی یا سکھ ہونے کی حیثیت میں کوئی تناقض نہ ہو، جس میں ہر گروہ کو دونوں حیثیتوں سے آزادی حاصل ہو، جس کی نوعیت یہ ہو کہ مشترک وطنی مسائل کی حد تک تو امتیاز مذہب وملت کا شائبہ تک نہ آنے پائے مگر جداگانہ قومی مسائل میں کوئی قوم دوسری قوم سے تعرض نہ کر سکے اور ہر قوم کو آزاد ہندوستان کی حکومت میں اتنی طاقت حاصل ہو کہ وہ اپنے ان مسائل کو خود حل کرنے کے قابل ہو۔

جیسا کہ ہم بار بار کہہ چکے ہیں، ہندوستان کی آزادی کے لئے جنگ کرنا تو ہمارے لئے قطعاً ضروری ہے لیکن ہم جس قسم کی آزادی کے لئے لڑ سکتے ہیں اور لڑنا فرض جانتے ہیں وہ یہی ہے (کہ ہماری اسلامیت میں کوئی فرق نہ آئے) رہی وہ آزادی جو "وطن پرستوں" کے پیش نظر ہے تو اس کی حمایت میں لڑنا کیا معنی، ہم تو اسے انگریزوں کی غلامی سے بھی بدتر سمجھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اسکے علمبردار مسلمانوں کے لئے وہی کچھ ہیں جو کلائو اور ولزلی تھے اور ان کے پیرو مسلمان کسی حیثیت سے بھی میر جعفر اور میر صادق سے مختلف نہیں ہیں۔ گو صورتیں اور حالات مختلف ہیں مگر دشمنی اور غداری کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں (یعنی دونوں

اسلام کو مٹا رہے ہیں)۔

دونو حیثیتوں کو قائم رکھکر حصول آزادی کا طریق (پہلے اپنی کمزوری دُور کرو)

اب سوال یہ ہے کہ یہ آزادی جس کو ہم اپنا مقصود بتا رہے ہیں کس طرح حاصل ہوسکتی ہے؟ مسلمانوں میں آج کل دو گروہ نمایاں ہیں جو مختلف تجویزیں پیش کر رہے ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ آزادی وطن کے لئے جو جماعت جدوجہد کر رہی ہے اس کے سامنے اپنے مطالبات پیش کرو اور جب وہ انہیں منظور کرلے تو اس کے ساتھ شریک ہو جاؤ۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ بلا کسی شرط کے اس آزادی کی تحریک میں حصہ لو مگر ہمارے نزدیک یہ دونوں گروہ غلطی پر ہیں۔ پہلے گروہ کی غلطی یہ ہے کہ وہ کمزوروں کی طرح بھیک مانگنا چاہتا ہے۔ بالفرض اگر اس نے مطالبہ کیا اور انہوں نے مان بھی لیا تو نتیجہ کیا نکلیگا؟ جس قوم میں خود زندہ رہنے اور اپنی زندگی اپنے بل بوتے پر قائم رکھنے کی صلاحیت نہیں، اس کو دوسرے کب تک زندہ رکھ سکیں گے۔ رہا دوسرا گروہ تو وہ آزادی کے جوش میں اپنی قوم کی اُن بنیادی کمزوریوں کو بھول جاتا ہے جنہیں پچھلے مضمونوں میں ہم تفصیل کیساتھ بیان کر چکے ہیں۔ اگر ثابت کر دیا جائے کہ وہ کمزوریاں واقعی نہیں ہیں اور مسلمان درحقیقت اس قدر طاقتور ہیں کہ قوم پرستی کی جدید تحریک سے ان کی قومیت اور قومی تہذیب کو کسی قسم کا خطرہ نہیں تو ہم اپنی رائے واپس لینے کیلئے تیار ہیں۔ لیکن اگر یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا اور ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ نہیں کیا جا سکتا تو پھر صاف سن لیجئے کہ اس مرحلہ پر مسلمانوں کو کانگریس کی طرف دعوت دینا دراصل ان کو خودکشی کا مشورہ دینا ہے۔ محض جذبات سے اپیل کر کے آپ حقائق کو نہیں بدل سکتے جس مریض کی آدھی جان نکل چکی ہے، اُس کے سامنے سپہ سالار بن کر آنے سے پہلے آپ کو حکیم بن کر آنا چاہئے۔ پہلے اُس کی نبض دیکھئے اور اسکے مرض کا علاج کیجئے۔ پھر اسکی کمر سے تلوار بھی باندھ لیجئے گا۔ یہ کہاں کی ہوشمندی ہے کہ مریض تو بستر پر پڑا ایڑیاں رگڑ رہا ہے اور آپ اس کے سرہانے

کھڑے خطبہ دے رہے ہیں کہ اُٹھو بہادرو! اپنی طاقت کے بل پر کھڑا ہو، باندھ کمر سے تلوار اور چل میدان کارزار میں۔

مسلمانوں کی نجات کی اصل راہ

یہ دونوں راستے جن لوگوں نے اختیار کئے ہیں، اُن میں متعدد حضرات ایسے ہیں جن کے لئے ہمارے دل میں بہت درجہ کا احترام موجود ہے اُن کے خلوص اور ایمان میں ہم کو ذرہ برابر شک نہیں مگر ان کی جلالت شان کا پورا پورا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ وہ اس وقت مسلمانوں کی غلط رہنمائی کر رہے ہیں اور اس غلط رہنمائی کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی موجودہ پوزیشن اور مستقبل کے امکانات پر کافی غور وخوض نہیں کیا ہے۔ انہیں قدم اٹھانے سے پہلے حسب ذیل حقائق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے:۔

۱۔ مسلمانوں کی حیات قومی کو برقرار رکھنے کے لئے وہ چیز بالکل ضروری ہے جس کو آجکل کی سیاسی اصطلاح میں "سلطنت کے اندر ایک سلطنت بنانا" کہا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں کی سوسائٹی جن بنیادوں پر قائم ہے، وہ استوار ہی نہیں رہ سکتیں جب تک کہ خود مسلمانوں کی اپنی جماعت میں کوئی قوت ضابطہ اور حاکمانہ اختیار موجود نہ ہو۔ اپنے لئے ایسی ایک مرکزی طاقت مہیا کر لینے کے بغیر کسی غیر منظم نظام حکومت میں رہنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا اجتماعی نظام رفتہ رفتہ مضمحل ہوکر فنا ہو جائے اور وہ بحیثیت ایک مسلم قوم کے زندہ ہی نہ رہ سکیں۔

۲۔ انگریزی حکومت کے غلبہ کامل نے ہم کو جماعتی زندگی اور حاکمانہ اقتدار سے محروم کر دیا ہے اور اسکی بدولت جو انحلال ہماری سوسائٹی میں رونما ہوا، اسے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ڈیڑھ سو برس تک مسلسل اور پیہم انحطاط کی طرف لے جانے کے بعد یہ انقلاب ہم کو ایک ایسے مقام پر چھوڑ رہا ہے جہاں ہماری جمعیت پراگندہ، ہمارے اخلاق تباہ، ہماری مجلسی زندگی ہر قسم کی بیماریوں سے زار ونزار اور ہمارے دین و اعتقاد تک کی بنیادیں متزلزل ہو چکی ہیں اور ہم موت کے کنارے پر کھڑے ہوئے ہیں۔

۳۔ اب ایک دوسرے انقلاب (ہندودیت کا غلبہ) کی ابتدا ہو رہی ہے جس میں دو قسم کے امکانات ہیں۔ اگر ہم نے اُسی غفلت سے کام لیا جس سے گذشتہ انقلاب کے موقع پر کام لیا تھا تو یہ دوسرا انقلاب بھی اُسی سمت میں جائیگا جس میں پہلا انقلاب گیا تھا اور یہ اُس نتیجہ کی تکمیل کر دے گا جس کی طرف ہمیں انگریزیت کا غلبہ لئے جا رہا تھا اور اگر ہم غیر مسلم نظامِ حکومت کے اندر ایک مسلم نظام حکومت (خواہ وہ محدود پیمانہ پر ہی ہو) قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو انقلاب اپنا رُخ بدل دے گا اور ہمیں اپنے نظم اجتماعی کو پھر سے مضبوط کر لینے کا ایک موقع ہاتھ آجائیگا۔

۴۔ سلطنت کے اندر ایک ایسی سلطنت قائم کرنا (جس کی مدد سے مسلمانوں کو اسلامی احکام پر قائم رکھا جائے) کسی سمجھوتے اور عہدنامے کے ذریعے سے ممکن نہیں۔ کوئی غیر مسلم سیاسی جماعت خواہ کتنی ہی فیاض اور فراخ حوصلہ ہو، اس کے لئے بخوشی آمادہ نہیں ہو سکتی نہ "سلطنت در سلطنت" کے اصول کو بحث مباحثہ کی طاقت سے کسی دستوری قانون میں داخل کرایا جا سکتا ہے اور بالفرض اگر یہ ہو بھی جائے تو ایسی غیر معمولی چیز جسکی پشت پر کوئی طاقت اور رائے عام اور منظم قوت موجود نہ ہو، عملی سیاسیات میں مکڑی کے جالے سے زائد پائیدار نہیں ہوگی۔ درحقیقت یہ چیز اگر کسی ذریعہ سے پائدار بنیادوں پر قائم ہو سکتی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ ہم خود اپنے نظام کی قوت اور اپنے ناقابل تسخیر متحدہ ارادہ سے اس کو بالفعل قائم کر دیں (اور خود مسلمان قوم کی ایک ایسی تنظیم کر دیں کہ یہ قوم، خود ہندوستان کے اندر ایک زندہ سلطنت نظر آئے) اور یہ سلطنت ایک ایسا حاصل شدہ واقعہ بن کر ہندوستان کے آیندہ نظامِ حکومت کا جز بن جائے، جس کو کوئی طاقت، واقعہ سے غیر واقعہ نہ بنا سکے۔

۵۔ یہ کام اس طرح انجام نہیں پا سکتا کہ ہم سردست انقلاب کو اسی رفتار پر جانے دیں اور اس کی تکمیل ہونے کے بعد جب ہندوستان میں مکمل طور پر ایک غیر مسلم نظام حکومت قائم ہو جائے، اس وقت سلطنت کے اندر ایک سلطنت بنانے کی کوشش کریں۔ اس چیز کو

صرف وہی شخص قابل عمل خیال کر سکتا ہے جس کو عملی سیاست کی ہوا تک چھو کر نہ گذری ہو۔ ایک ہوشمند آدمی ذرا سے غور میں سمجھ لے گا کہ انقلاب کا رُخ، صرف دوران انقلاب ہی میں بدلا جا سکتا ہے اور سلطنت کے اندر سلطنت صرف اسی صورت میں بن سکتی ہے جبکہ سلطنت کی تعمیر کے دوران میں اُس کی بنا ڈال دی جائے۔ (ورنہ جب ہندو سلطنت ملکی ہو گئی تو وہ مسلمانوں کو اختیار کیوں دے گی؟)

۶۔ جس قسم کی تنظیم اس مقصد کے لئے درکار ہے، وہ کانگرس کے سانچے میں داخل ہو کر نہیں کی جا سکتی۔ کانگرس ایک منظم جماعت ہے اور ہر منظم جماعت میں یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ جن افراد کو اپنے دائرہ میں لیتی ہے، انہیں اپنی فطرت اور اپنی مخصوص ذہنیت کے مطابق ڈھال لیتی ہے۔ مسلمانوں میں اگر مضبوط اسلامی کیرکٹر اور طاقتور اجتماعی نظم موجود ہو تو البتہ وہ کانگرس کے سانچے میں داخل ہو کر، اُس کے نفسیات اور اصول و مقاصد میں تغیر پیدا کر سکتے ہیں۔ لیکن اس وقت وہ جن اخلاقی کمزوریوں میں مبتلا ہیں، اُن کو لئے ہوئے منتشر افراد کی صورت میں اُن کا اُدھر جانا تو صرف ایک ہی نتیجہ پیدا کر سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے جمہور پر کانگرسی نفسیات کا غلبہ ہو جائے، وہ اکابر کانگرس کی رہنمائی تسلیم کر کے، اُن کے اشاروں پر چلنے لگیں اور اسلامی مقاصد کے لئے مسلمانوں میں ایک رائے عام تیار کرنے کے جو امکانات ابھی باقی ہیں، وہ بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں۔ ہر شخص جس کو خدا نے دیکھنے والی آنکھیں عطا کی ہوں، اس کو بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ "نیشنلسٹ" قسم کے مسلمان، اگر کانگرس کے اندر کوئی بڑی قوت پیدا کر لیں اور حکومت کے اقتدار میں انہیں کوئی بڑا حصہ مل جائے تب بھی وہ مسلمانوں کے لئے کچھ مفید نہ ہوں گے، بلکہ غیر مسلموں سے کچھ زیادہ ہی نقصان رساں ثابت ہوں گے۔ اس لئے کہ وہ ہر معاملہ میں پالیسی اور طریق کار تو وہی اختیار کرینگے جو ایک غیر مسلم کریگا، مگر ایسا کرنے کیلئے ان کو اس سے زیادہ آزادی اور

جرأت حاصل ہوگی جو ایک غیر مسلم کو حاصل ہوسکتی ہے، اسلئے کہ بد قسمتی سے ان کے نام مسلمانوں کے سے ہونگے۔

ہمارا جہاد کن بنیادوں پر مبنی ہونا چاہئے؟

مذکورہ بالا حقائق کو پیش نظر رکھکر جب آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے لئے اب صرف ایک ہی راستہ باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم ہندوستان کی آزادی کے لئے جنگ میں شریک ہونے سے پہلے اپنی کمزوریوں کو دور کریں، اور اپنے اندر وہ طاقت پیدا کریں جس سے ہندوستان کی آزادی کے ساتھ ہی مسلمان کی آزادی کا حصول بھی ممکن ہو۔ اس غرض کے لئے ہم کو اپنی قوتیں جن کاموں پر صرف کرنی چاہئیں وہ حسب ذیل ہیں:-

۱- (اشاعت اسلام) - مسلمانوں میں وسیع پیمانہ پر اصول اسلام اور قوانین شریعت کا علم پھیلایا جائے اور ان کے اندر اتنی واقفیت پیدا کردی جائے کہ وہ اسلام کے حدود کو پہچان لیں اور یہ سمجھ لیں کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم کن خیالات اور عملی طریقوں کو قبول کرسکتے ہیں اور کن کو قبول نہیں کرسکتے۔ یہ نشر و تبلیغ صرف شہروں ہی میں نہیں ہونی چاہئے بلکہ دیہات کے مسلمانوں کو شہری مسلمانوں سے زیادہ اس کی ضرورت ہے۔

۲- (شرعی نظام کا قیام اور ارکان اسلام کی پابندی) - علم کی اشاعت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو عملاً احکام اسلامی کا اطاعت گذار بنانے کی کوشش کی جائے اور خصوصیت کے ساتھ ان ارکان اسلام کو پھر سے استوار کیا جائے جن پر ہمارے نظام جماعت کی بنیاد قائم ہے۔

۳- (اسلامی عصبیت کا پروپیگنڈا) - مسلمانوں کی رائے عام کو اس طرح تربیت کیا جائے کہ وہ غیر اسلامی طریقوں کے رواج کو روکنے پر مستعد ہو جائیں اور مسلمانوں کا اجتماعی ضمیر احکام اسلامی کے خلاف بے دین لوگوں کی بغاوت کو برداشت کرنا چھوڑ دے۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ جس چیز کی بیخ کنی پر توجہ کی ضرورت ہے، وہ تشبہ بالاجانب (دوسری قوموں کی نقل کرنا) ہے۔ کیونکہ یہی وہ چیز ہے جو ہم کو غیروں میں جذب ہونے کے لئے تیار کرتی ہے۔

۴۔ (بے دینوں اور منافقوں کی لیڈری کی بیخ کنی)۔ ہمیں اپنی اجتماعی قوت اتنی مضبوط کرنی چاہئے کہ ہم اپنی جماعت کے ان غداروں اور منافقوں کی بیخ کنی کر سکیں جو اپنی فطری شرارت کی وجہ سے یا ذاتی اغراض کی خاطر اسلامی مفاد کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

۵۔ (مسلمان رہنماؤں کی قدردانی)۔ ہمیں اس امر کی کوشش کرنی چاہئے کہ مسلمانوں کی لیڈری کا منصب نہ انگریز کے غلاموں کو حاصل ہو سکے، نہ ہندو کے غلاموں کو، بلکہ ایک ایسی جماعت کے قبضہ میں آجائے جو ہندوستان کی کامل آزادی کے لئے دوسری ہمسایہ قوموں کے ساتھ اشتراک عمل کرنے پر کھلے دل سے آمادہ ہو، مگر اسلامی مفاد کو کسی حال میں قربان کرنے پر آمادہ نہ ہو۔

۶۔ (اسلامی مرکزیت کا قیام)۔ مسلمانوں میں اسقدر اتحاد خیال اور اتحاد عمل پیدا کر دیا جائے کہ وہ تن واحد کی طرح ہو جائیں اور ایک مرکزی طاقت کے اشاروں پر حرکت کرنے لگیں۔

اس وقت مسلمانوں کی جو حالت ہے اس کو دیکھتے ہوئے شائد بعض لوگ یہ خیال کرینگے کہ ایسا ہونا محال ہے۔ خود میرے متعدد دوستوں نے کہا ہے کہ تم خیالی پلاؤ پکا رہے ہو۔ یہ قوم اس قدر گر چکی ہے کہ اب کوئی اعجازی قوت ہی اس کو سنبھالے تو سنبھالے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ ابھی اس قوم کو سنبھالنے کا ایک موقع اور آخری موقع باقی ہے۔ ہمارے خواص خواہ کتنے ہی بگڑ چکے ہوں، مگر ہمارے عوام میں ابھی ایمان کی ایک دبی ہوئی چنگاری موجود ہے اور وہی ہمارے لئے آخری شعاع امید ہے۔ قبل اس کے کہ وہ بجھے، ہم اس سے بہت کچھ کام لے سکتے ہیں، بشرطیکہ چند مرد مومن ایسے کھڑے ہوں جو خلوص نیت کے ساتھ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوں۔

کانگرس کے متعلق کیا روش ہو؟

کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ ہم کانگرس سے تصادم چاہتے ہیں، ہرگز نہیں۔ ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے ہمارا مقصد وہی ہے جو کانگرس کا ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس مشترک

مقصد کے لئے ہم کو بالآخر کانگریس ہی کے ساتھ تعاون کرنا ہے لیکن سر دست ہم اس سے صرف اس لئے علیحدہ رہنا چاہتے ہیں کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے اپنے مفاد کا تحفظ کرنے کے لئے ہم کو جس اخلاقی قوت اور اجتماعی نظم کی ضرورت ہے، وہ ہم میں نہیں ہے۔ ہم سب سے پہلے اپنی ان کمزوریوں کو دور کرنا چاہتے ہیں اور اس غرض کے لئے ہم کو ایسی فضا درکار ہے جو مزاحمت اور تصادم سے پاک ہو۔ پس اگر کانگریس ہم سے تعرض کئے بغیر اپنا کام جاری رکھے تو ہمیں اس سے لڑنے کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ اس کے برعکس ہماری ہمدردیاں مشترک ہندوستانی مقاصد کی حد تک، اس کے ساتھ رہیں گی۔ البتہ اگر وہ ہماری غیر منظم جماعت کو اپنے نظم میں جذب کرنے کی کوشش کرے گی اور براہ راست ہمارے عوام میں "وطن پرستی" اور "اشتراکیت" کی تبلیغ شروع کردے گی اور اس غرض کے لئے ہماری قوم کے اُن منافقوں سے کام لے گی جن کی حیثیت ہماری نگاہ میں دوسری قسم کے منافقوں (یعنی انگریزی اقتدار کے ایجنٹوں) سے کچھ بھی مختلف نہیں، تو اس صورت میں ہم کو مجبوراً اس سے لڑنا پڑے گا اور اس لڑائی کا تمام تر الزام خود اُسی پر عائد ہوگا۔

پنڈت جواہر لال نہرو، اپنی موجودہ پالیسی کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اپنے مسلک کی تبلیغ کرنا اور مخالف خیالات رکھنے والوں کو تبدیل خیال پر آمادہ کرنے کی کوشش کرنا ہر جماعت کا حق ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر آپ کو یہ حق حاصل ہے تو ہم کو بھی جوابی تبلیغ کا حق پہنچتا ہے۔ وطن پرستی اور اشتراکیت کی تبلیغ ہماری نگاہ میں شدھی کی تبلیغ سے کچھ مختلف نہیں اس لئے کہ دونوں کا نتیجہ ایک ہے۔ (مسلمانوں کے جداگانہ وجود کو مٹانا) اور دونوں کی مزاحمت ہمارے لئے ناگزیر ہے۔ اگر آپ اس تصادم کے لئے تیار ہیں اور اس کو ہندوستان کے لئے مفید سمجھتے ہیں تو آپ کی سخت نادانی ہے۔

حصول آزادی کیلئے رسول اللہ کا طریق عمل

حضورؐ کی صدائے تنظیم کیا تھی اور تنظیمی اصول کیا تھے؟

۱۔ اِتَّبِعُوا مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِیَاءَ

(الاعراف ۱۰) پیروی کرو، اس ہدایت کی جو تمہاری طرف خدا کے پاس سے نازل کی گئی ہے۔ خدا کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرنے لگو۔

۲۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ

(آلعمران ۴) اے نبی کہدو کہ تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا تم کو دوست بنائے گا اور تمہیں بخش دے گا۔

۳۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰهَ کَثِیْرًا۔ (الاحزاب ۳) تمہارے لئے یقیناً اللہ کے رسول میں عمل کا اچھا نمونہ موجود ہے جو کوئی اللہ کی رحمت کا امیدوار ہو اور روز آخرت کے آنے کی توقع رکھتا ہو، اس کے لیئے (تو پیروی کا صحیح نمونہ یہی ہے)۔

ان آیات میں یہ قطعی حکم دیا گیا ہے کہ بحیثیت مسلمان ہونے کے ہم کو قرآن اور اسوۂ رسولؐ ہی کا اتباع کرنا چاہیئے اور ہمارے لئے ہدایت انہی دونوں چیزوں میں ہے لیکن سوال یہ ہے کہ یہ ہدایت جس کے اتباع کا حکم، اس قطعیت کے ساتھ تم کو دیا گیا ہے، آیا اس کا دائرہ صرف طہارت اور استنجا اور عبادت اور (باصطلاح زمانہ حال) مذہبی معاملات پر حاوی ہے؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ) یہ ہدایت صرف اُس زمانہ اور اس ملک کے لئے تھی جس میں قرآن نازل ہوا تھا یا ہر زمانے اور ہر ملک کے .... مسلمانوں کے لئے ہے؟ اگر یہ آخری بات صحیح ہے تو پھر یہ کیا ماجرا ہے کہ تم وضو اور غسل کے مسائل میں، نکاح اور

طلاق کے معاملات میں، ترکے اور وراثت کے مقدمات میں تو اُس سرچشمۂ ہدایت کی طرف رجوع کرتے ہو، مگر جن مسائل کے حل پر تمہاری قوم کی زندگی و موت کا مدار ہے، ان میں نہیں دیکھتے کہ قرآن تمہیں کونسا راستہ دکھاتا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کس طرف تمہاری رہنمائی کرتی ہے؟ (مثال کے طور پر دیکھو کہ اس وقت) مستقبل کا سوال ایک درشنی ہنڈی کی طرح مسلمان کے سامنے آن کھڑا ہوا ہے اور تقاضا کر رہا ہے کہ یا تو میرا معاملہ صاف کر دو یا دیوالہ نکالو۔ لیکن قوم کا حال یہ ہے کہ جس کا منہ جدھر اُٹھ رہا ہے، چلا جا رہا ہے۔ جس کے ذہن میں جو بات آرہی ہے، کہہ رہا ہے اور لکھ رہا ہے۔ کوئی مارکس اور لینن کے اُسوے کو دانتوں سے پکڑے ہوئے ہے۔ کوئی مسولینی اور ہٹلر کی سنت پر عمل کر رہا ہے۔ کوئی گاندھی اور جواہر لال کے پیچھے چلا جا رہا ہے۔ کوئی فرائض کی پرانی فہرست میں ایک نئے فرض (روٹی) کا اضافہ کر رہا ہے۔ کسی پر نشستوں اور ملازمتوں کے فیصدی تناسب کا بھوت سوار ہے۔ کوئی حرکت اور عمل کا پجاری بنا ہوا ہے اور ہانکے پکارے کہہ رہا ہے کہ اگر پشاور کی گاڑی نہیں چلتی تو راس کماری کی طرف جانے والی گاڑی پر سوار ہو جاؤ، اس لئے کہ منزل مقصود کوئی نہیں، حرکت ہی فی نفسہٖ مقصود ہے۔ غرض ہر شخص جو کچھ بول سکتا ہے، ایک نئی تجویز قوم کو سنا دیتا ہے اور ہر شخص جو کچھ لکھ سکتا ہے، ایک ماہرانہ و مبصرانہ مقالہ لکھ کر شائع کر دیتا ہے۔ مگر اس تمام شور و شغب اور اس پورے ہنگامے میں کسی کو بھی یہ یاد نہیں آتا کہ ہمارے پاس قرآن نامی بھی کوئی کتاب ہے جس نے زندگی کے ہر مسئلہ میں ہماری رہنمائی کا ذمہ لے رکھا ہے اور ہم سے کبھی یہ بھی کہا گیا تھا کہ زندگی کے ہر معاملے میں تمہارے لئے ایک عملی نمونہ موجود ہے۔

مسلمانوں کو مختلف راستوں کی طرف سے بلایا جا رہا ہے۔ ہر راستہ کی طرف بلانے والوں میں بڑے بڑے مقدس علماء اور بڑے بڑے نامور لیڈر ہیں۔ (مگر سوال شخصیتوں کا نہیں، سوال یہ ہے

ایتونی شیئاً مِن کتاب اللہ وسُنۃ رسولہ حتی اقول۔ تم اپنی بڑائی، قربانی، سیاست دانی اور علمیت کو پرے رکھکر مسلمانوں کو صرف یہ بتاؤ کہ خدا اور رسولؐ کا حکم کیا ہے؟ اس لئے کہ اتباع کے لائق حکم الٰہی کا حکم ہے۔ اُن کے بتلائے ہوئے راستے میں خواہ کتنے ہی خدشات ہوں، کتنی ہی دشواریاں ہوں اور کتنے ہی نقصانات ہوں، مسلمانوں کو آخری اور دیرپا اور یقینی کامیابی صرف اسی کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔

آیئے آج اسی نقطۂ نظر سے قرآن اور سیرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غور کریں کہ ہمارے اس وقت کے قومی مسائل میں ان کے اندر کیا ہدایت ہے؟ کچھ پروا نہیں اگر کوئی شخص اس کو دقیانوسیت اور رجعت پسندی کہکر ناک بھوں چڑھائے۔ حالات جدید سہی، مسائل وقتی سہی، جغرافی ماحول مختلف سہی مگر جس ہدایت کی طرف ہم رجوع کرتے ہیں، ہمارا ایمان ہے کہ وہ ہر زمانے میں جدید ہے، ہر دور میں وقتی ہے اور ہر جغرافی ماحول میں مقامی ہے۔

آزادیٔ عرب کے لئے رسولؐ اللہ کا طریق کار

ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت آپ کے وطن کی سیاسی حالت کیا تھی اور اس حالت میں آپ نے کیا طرز عمل اختیار کیا؟

تاریخ سے ثابت ہے کہ اس وقت کا عرب، مختلف فرعونی طاقتوں سے گھرا ہوا تھا اور خود ملک کے اندر ہمسایہ قوموں کا امپریلزم نفوذ کر چکا تھا۔ آپ کی پیدائش سے چند ہی روز پہلے حبشی قومیں یلغار کرتی ہوئی مکہ معظمہ تک پہنچ چکی تھیں۔ عرب کا سب سے زیادہ زرخیز صوبہ یمن، پہلے حبشیوں کے اور پھر ایرانیوں کے تسلط میں جا چکا تھا۔ عرب کے جنوبی اور مشرقی سواحل ایرانیوں کے زیر اثر تھے۔ عراق عرب کا علاقہ، نجد کے حدود تک ایرانیوں کے اثر میں تھا۔ شمال میں عقبہ و معاون تک بلکہ تبوک تک، سلطنت روم کے اثرات

پہنچے ہوئے تھے اور ایرانی اور رومی سلطنتیں، عرب کے قبائل کو اپنی اغراض کے لئے ایک دوسرے سے لڑاتی تھیں اور اندرون عرب میں اپنے اثرات پھیلا رہی تھیں۔ متعدد مرتبہ قسطنطنیہ کا قیصر، مکہ کی چھوٹی سی ریاست کے معاملات میں مداخلت کر چکا تھا۔ عربی قوم کو ہر ملک گیر طاقت اپنے قبضہ میں لانا چاہتی تھی، کیونکہ اس قوم کا ملک اگرچہ بنجر تھا، مگر قوم بنجر نہ تھی۔ جہانگیری کے لئے بہترین سپاہی اس سے فراہم ہو سکتے تھے۔

(سوال یہ ہے کہ) ان حالات میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ نے کیا کیا؟ اگرچہ آپ کو اپنے وطن اور اپنی قوم سے فطری محبت تھی اور آپ سے بڑھکر حریت پسند کوئی نہ تھا، مگر آپ نے ایک قوم پرست یا وطن پرست کی حیثیت اختیار نہ کی۔ آپ کی نگاہ میں مقدم کام یہ نہ تھا کہ آپ اہل وطن کی قوت کو مجتمع کر کے غیروں کے غلبے کو خاک وطن سے اکھاڑ پھینکیں بلکہ ہر دوسرے کام سے مقدم کام یہ تھا کہ حق پرستوں کا ایک جتھا بنائیں اور اس کے اندر ایک ایسی طاقت پیدا کر دیں کہ وہ صرف عرب ہی میں نہیں بلکہ خود روم و ایران میں بھی ظلم اور سرکشی کا خاتمہ کر دے۔ آنحضرتؐ کے اہل وطن آپ کے بہترین اوصاف سے واقف تھے۔ انہوں نے عرب کی پادشاہی کا تاج آپؐ کے سامنے پیش کیا تھا، اس شرط پر کہ آپ اپنے اس جتھے کی توسیع و تنظیم سے باز آجائیں۔ اگر آپؐ وطن پرست ہوتے تو خدمت وطن کا اس سے بہتر موقع کونسا ہو سکتا تھا؟ مگر آپؐ نے اس تاج کو ٹھکرا دیا اور اسی کام میں لگے رہے جس کے بار آور ہونے کی کم از کم اس وقت کوئی شخص امید نہ کر سکتا تھا۔ اس وقت آپ کی جمعیت دس بارہ آدمیوں سے زیادہ نہ تھی۔ تمام ملک میں کوئی قبیلہ اور کوئی گروہ آپ کا ساتھی نہ تھا بلکہ سب مخالف اور سخت مخالف تھے۔ ظاہرا اسباب کے لحاظ سے کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ اسکیم کب کامیاب ہو گی جس کو آپ لے کر اٹھے تھے؟ اس بات کا ہر وقت امکان تھا کہ واقعہ فیل

کی طرح کوئی دوسرا واقعہ پھر پیش آجائے اور حجاز بھی یمن اور غسان کی طرح اجنبی حکومت کا غلام بن جائے مگر آپ نے ہر حال میں یہی سمجھا کہ پہلے حق پرستوں کی جمعیت کو بڑھائیں اور مضبوط کرلیں، پھر جیسی صورت حال ہو اس کے مطابق ملکیوں اور غیر ملکیوں کے ساتھ کوئی معاملہ کریں۔

رسولؐ اللہ نے وطن پرستوں کی جگہ حق پرستوں کی تنظیم کیوں کی؟

کیا آپؐ فرقہ پرستؐ تھے؟ کیا نعوذ باللہ اپنے وطن کے غدار تھے؟ کیا خاکم بدہن آپ غیر ملکی حکومتوں کے ایجنٹ تھے؟ ہرگز نہیں۔ تاریخ کے ناقابل انکار حقائق گواہ ہیں کہ کسی فرزند وطن نے، اپنے وطن کو اتنی سربلندی عطا نہیں کی جتنی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت عرب کو نصیب ہوئی۔ اور تاریخ ہی اس بات پر بھی گواہ ہے کہ کسی داعیٔ دین نے غیر مذہب والوں کے ساتھ اتنے تحمل، اتنی فیاضی، اتنی رواداری اور اتنی فراخ حوصلگی کا برتاؤ نہیں کیا۔ پھر یہ بھی دنیا کو معلوم ہے کہ اللہ کے رسول نے کبھی روٹیوں کی تقسیم اور منافع کے بٹوارے کا سوال ہی نہیں اٹھایا۔ آپ نے نہ کبھی مکی زندگی میں اس بنیاد پر مصالحت کی کہ ریاست قریش کے دارالندوہ اور جنگی و سیاسی عہدوں میں مسلمانوں کی اتنی نمائندگی ہو اور نہ مدنی زندگی میں اس مسئلہ کو مدار صلح قرار دیا کہ یہود کے معاشی وسائل میں مسلمانوں کا اتنا حصہ ہو۔

اب غور کیجئے کہ وہاں نہ کمیونلزم (فرقہ پرستی) تھا، نہ وطن دشمنی تھی، نہ اعدائے وطن سے سازباز تھا تو پھر کونسی چیز تھی جس کی بنا پر آپ نے عرب کی سیاسی نجات اور تمدنی و معاشی ترقی پر اپنی بہترین قوتوں اور قابلیتوں کو صرف کرنے سے انکار کیا اور ہر کام سے پہلے خدا کا نام لینے والوں کی ایک طاقت اور جمعیت بنانا اور زمین میں اس کا دبدبہ قائم کرنا ضروری سمجھا؟ اس کا جواب ایک اور صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا نصب العین، وطن پرست کے نصب العین سے بالکل مختلف تھا۔
اس نصب العین کی راہ میں باہر کے قیصر وکسریٰ اور گھر کے ابوجہل وابولہب دونوں
یکساں سدراہ تھے۔ اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے ضروری تھا کہ واقعات کی
رفتار اور ملک کے مستقبل اور آیندہ کے امکانی خدشات، سب کی طرف سے بے پروا ہوکر
ایک ایسی جماعت کو منظم کیا جائے جو باطل کے غلبہ کو کسی صورت میں قائم نہ رہنے دے
اور اپنی طاقت سے زمین میں ایسی حالت قائم کردے جس میں خدا پرستانہ تہذیب امن
کے ساتھ پھل پھول سکے۔ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ۔

اب یہی نصب العین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان قوم کو دے گئے ہیں۔
مسلمان قوم ایک قوم ہی اس بنیاد پر بنی ہے کہ یہ نصب العین اس کے تمام افراد کا مشترک
اور واحد نصب العین ہے۔ اس نصب العین کو سلب کر لیجئے پھر مسلمان قوم کسی قوم کا نام
نہیں ہے۔ یہاں عرب، عجم کی کوئی خصوصیت نہیں۔ زمان ومکان کا کوئی سوال نہیں مسلمان
اگر مسلمان ہے تو ہر حال میں یہی اس کا نصب العین ہے۔

پیروانِ رسولؐ کے اجتماع کی بنیاد

(اب اس امر پر غور فرمایئے کہ) یہ جتھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا
تھا، اس کی بنیاد کسی مادر وطن کی فرزندی، کسی نسلی تعلق اور کسی سیاسی ومعاشی مفاد
کے اشتراک پر نہ تھی، بلکہ ایک مخصوص عقیدے اور ایک مخصوص طرز عمل پر تھی (جتھے) کو
جوڑنے والی طاقت، خدا کی محبت اور بندگی تھی نہ کہ اغراض کی محبت اور مادی مفاسد
کی بندگی۔ اس کی طرف لوگوں کو بلانے والا نعرہ، اذان کا نعرہ تھا، نہ کہ وطنیت کا نعرہ
اس کے اجزاء کو سمیٹ کر ایک بنیان مرصوص بنانے والی چیز ایک ان دیکھے خدا کی عبادت
تھی نہ کہ کوئی محسوس یا مادی نشان۔ اس کو حرکت میں لانے والی چیز، رضائے الٰہی کی طلب

تھی نہ کہ منافع مادی کی طلب۔ اس میں عمل کی گرمی پھونکنے والی قوت، اعلائے کلمۃ اللہ کی خواہش تھی نہ کہ نسل و وطن کو سربلند کرنے کی تمنا۔ اس قوم کے نفسیات دنیا سے نرالے ہیں۔ جو چیزیں دوسروں کو جمع کرنے والی ہیں، وہ اس قوم کو منتشر کر دینے والی ہیں، جو چیزیں دوسروں کو عمل پر اُبھارنے والی ہیں، وہی اس قوم کو عمل سے دور بھگانے والی ہیں۔ سارے قرآن کو اٹھا کر دیکھ جاؤ، پوری سیرت نبوی پر نظر ڈال لو۔ خلافت راشدہ کے دَور سے اس زمانہ تک کی اسلامی تاریخ پڑھ لو۔ تم کو معلوم ہو جائیگا کہ اسلام کی فطرت کیا ہے اور مسلمان قوم کا مزاج کس قسم کا ہے؟ جو قوم اس سوال پر صدیوں سے جھگڑ رہی ہے کہ نبیؐ پر سلام بھیجتے وقت کھڑا ہونا چاہئے کہ نہیں، کیا تم توقع رکھتے ہو کہ وہ بندے ماترمؔ کا گیت سننے کے لئے تعظیماً کھڑی ہو گی؟ جس قوم کے دل میں مرئیات (بتوں اور ستاروں وغیرہ) سے عقیدت رکھنے کی بجائے سخت نفرت بٹھائی گئی ہے کیا تمہیں امید ہے کہ وہ کسی جھنڈے کو سر جھکا کر سلامی دے گی؟ جو قوم تیرہ سو برس تک خدا کے نام پر بلائی جاتی رہی ہے کیا تم سمجھتے ہو کہ اب وہ بھارت ماتا کے نام پر پروانہ وار دوڑتی چلی آئے گی؟ جس قوم میں عمل کی گرمی پیدا کرنے والا داعیہ اب تک محض اعلائے کلمۃ اللہ کا داعیہ رہا ہے، کیا تمہارا گمان ہے کہ اب معدے اور بدن کے مطالبات اس میں حرارت پھونکیں گے، یا کونسلوں کی نشستوں اور ملازمتوں کے تناسب کا سوال اس کے قلب و روح کو گرما دے گا؟ جس قوم کو عقیدت اور عمل کی وحدت پر جمع کیا گیا تھا، کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ وہ سیاسی اور معاشی پارٹیوں میں تقسیم ہو کر کوئی طاقتور عملی قوم بن جائے گی؟ تخیل کے بازوؤں پر ہوا میں اڑنے والے لوگ جو چاہیں کہیں مگر جس کسی نے قرآن اور سنت سے اسلام کے مزاج کو سمجھا ہے وہ بادنیٰ تامل یہ رائے قائم کر سکتا ہے کہ مسلمان قوم کی فطرت جب تک بالکل مسخ نہ

ہو جائے، وہ نہ تو ان محرکات سے حرکت میں آسکتی ہے اور نہ ان جامعات کے ذریعہ سے
جمع ہو سکتی ہے۔ غیر مسلم، بلاشبہ ان ذرائع سے جمع ہو جائیں گے اور ان میں حرکت بھی ان
محرکات سے پیدا ہو جائے گی کیونکہ ان کو جمع کرنے اور حرکت میں لانے والی کوئی اور چیز
نہیں ہے۔ ان کا مذہب، انہیں منتشر کرتا ہے اور صرف وطن کی خاک ہی اُن کو جمع کرتی
ہے۔ اُن کے معتقدات ان کے دلوں کو سرد کر دینے والے ہیں۔ ان میں حرارت صرف معدے
ہی کی گرمی سے پیدا ہو سکتی ہے۔ مگر مسلمان جس کو خدا کے نام پر جمع کیا گیا تھا اور جس میں
ایمان کی گرمی پھونکی گئی تھی، آج تم اس کو ذلیل مادی چیزوں کے نام پر جمع نہیں کر سکتے
اور نہ ادنیٰ درجہ کی خواہشات سے اس میں حرکت پیدا کر سکتے ہو۔ اس طریقہ میں، اگر تم کو
کامیابی نصیب بھی ہو سکتی ہے تو صرف اس وقت جبکہ تم مسلمان کو فطرت اسلام سے
ہٹا دو اور اسے بلندیوں سے گرا کر پستیوں میں لے آؤ۔ (اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ
مسلمانوں کو ملکی ترقی اور ہندوستان کے سیاسی، مالی اور تمدنی مسائل سے کوئی تعلق نہیں۔
یہاں صرف یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی اصلی قوت متحرکہ اور ان کی جمعیت کی بنیاد
یہ چیزیں نہیں ہیں)۔

جمعیت سازی میں رسول خدا کا طریق عمل

اب ایک قدم اور آگے بڑھیے اور یہ دیکھئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ
نئی قوم کن طریقوں سے بنائی تھی اور اس میں کن ذرائع سے وحدت اور قوتِ عمل پیدا کی تھی؟
جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت لے کر اٹھے تھے تو ساری دنیا
میں تنہا آپ ہی ایک مسلم تھے۔ کوئی آپ کا ساتھی اور ہم خیال نہ تھا۔ دنیوی طاقتوں میں
سے کوئی طاقت آپ کو حاصل نہ تھی۔ گرد و پیش جو لوگ تھے، اُن میں خودسری اور
نفس پرستی انتہا درجہ پر پہنچی ہوئی تھی۔ ان میں سے کوئی کسی کی بات سننے اور اطاعت

کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ وہ نسل اور قبیلہ کی عصبیت کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ اُن کے ذہن، ان خیالات اور ان مقاصد سے کوئی دور کا لگاؤ بھی نہ رکھتے تھے جن کی تبلیغ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے تھے۔ اس ماحول اور ان حالات میں کونسی طاقت تھی جس سے ایک تنہا انسان، بے یار و مددگار اور بے وسیلہ انسان نے لوگوں کو اپنی طرف کھینچا؟

کیا آنحضرتؐ نے عربوں کو یہ لالچ دیا تھا کہ میں تم کو زمین کی حکومت دلواؤں گا؟ رزق کے خزانے دلواؤں گا؟ دشمنوں پر فتح اور غلبہ بخشوں گا؟ بیرونی غاصبوں کو نکال باہر کروں گا اور عرب کو ایک طاقت ور سلطنت بنادوں گا؟ تمہاری تجارت اور صنعت وحرفت کو ترقی دوں گا، تمہارے وسائل معیشت بڑھاؤں گا اور تمہیں ایک ترقی یافتہ اور غالب قوم بنا کر چھوڑوں گا؟ ظاہر ہے کہ ایسا کوئی لالچ آپ نے نہیں دلایا تھا۔

پھر کیا آپ نے امیروں کے مقابلہ میں غریبوں کی اور سرمایہ داروں اور زمینداروں کے مقابلہ میں مزدوروں اور کاشتکاروں کی حمایت کا بیڑا اٹھایا تھا؟ سیرت نبوی گواہ ہے کہ یہ چیز نہ تھی۔

پھر کیا آپ نے کوئی سیاسی، یا تعلیمی یا تمدنی یا معاشی یا فوجی تحریک اٹھائی تھی اور اس کی طرف لوگوں کو کھینچنے کے لئے نفسیاتی حربوں سے کام لیا تھا؟ واقعات شاہد ہیں کہ ان میں سے بھی کوئی چیز نہ تھی۔ پھر غور کیجئے کہ آخر وہ کس چیز کی کشش تھی جس نے عربی اور عجمی، امیر اور غریب، آقا اور غلام سب کو آپ کی طرف کھینچا؟ دنیا جانتی ہے کہ وہ صرف دو چیزیں تھیں۔ ایک قرآن کی تعلیم۔ دوسرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت۔ لوگوں کے سامنے یہ پیغام پیش کیا تھا کہ لَا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ ان کو اس بات پر جمع کیا گیا تھا کہ اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ

ان کو یہ تعلیم دی گئی تھی کہ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن
ان کے سامنے یہ نصب العین رکھا گیا تھا کہ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُو
الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ پھر جس شخص
نے ان کو یہ دعوت دی تھی۔ اس کا حال یہ تھا کہ کان خُلقہ القرآن۔ وہ جو کچھ
کہتا ہے سب سے پہلے اور سب سے بڑھکر خود اس پر عمل کرکے دکھاتا تھا۔ وہ فضیلت
اخلاق اور عمل صالح کا مجسمہ تھا اور اس کی زندگی میں راست بازی اور راست روی
کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

بس، یہی دو چیزیں تھیں، جنہوں نے ہر طرف سے لوگوں کو کھینچا اور وہ قوم بنادی
جس کا نام مسلمان ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس حقیقت کو یوں سمجھئے کہ اسلامی جمعیت
نام ہی اس جمعیت کا ہے جو قرآن اور سیرت محمدی کی کشش سے وجود میں آتی ہے۔ جہاں
زندگی کے وہ اصول اور مقاصد ہوں گے جو قرآن نے پیش کئے ہیں اور جہاں طرز عمل
وہ ہوگا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، وہاں مسلمان جمع ہو جائیں گے، اور جہاں یہ دونو
چیزیں نہ ہونگی وہاں ان لوگوں کے لئے قطعاً کوئی کشش نہ ہوگی، جو "مسلمان" ہیں۔
اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ہماری قومی تحریکات میں بنیادی نقص کونسا ہے جس کی
وجہ سے مسلمان کسی تحریک کی طرف بھی فوج در فوج نہیں کھنچتے اور ہر داعی کی آواز بہرے
کانوں سے سنتے ہیں۔ ان کی فطرت وہ آواز سننا چاہتی ہے اور وہ طرز عمل دیکھنا چاہتی
ہے جس کی کشش نے ان کو ساری دنیا سے الگ ایک قوم بنایا تھا۔ مگر افسوس کہ نہ
وہ آواز کسی طرف سے آتی ہے اور نہ وہ طرز عمل کہیں نظر آتا ہے۔ بلانے والے ان کو
ایسے مقاصد کی طرف بلاتے ہیں جو ان کی زندگی کے اصلی مقاصد نہیں ہیں اور رہنمائی
کے لئے اُٹھتے ہیں تو وہ جن میں سیرت محمد رسول اللہ کی ادنیٰ جھلک تک نظر نہیں آتی

جمہور مسلمین بڑی بڑی امیدیں لے کر ہر نئی تحریک کی طرف دوڑتے ہیں مگر مقاصد کی پستیاں اور عمل کی خرابیاں دیکھ کر ان کے دل ٹوٹ جاتے ہیں۔

مختصر یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی جمعیت اس ڈھنگ پر بنائی تھی کہ پہلے تو آپ نے عیسائی گروہ میں سے ان لوگوں کو چھانٹ لیا جن کی فطرت میں ایک خالص صداقت، ایک پاک زندگی کی طرف کھنچنے کی صلاحیت تھی۔ پھر تعلیم و تربیت کے بہترین ذرائع سے کام لے کر ان میں ایک ایک فرد کی اصلاح فرمائی۔ اس کے دل میں زندگی کا ایک بلند مقصد بٹھا دیا اور اس کے کیرکٹر میں اتنی مضبوطی پیدا کی کہ وہ اس مقصد کے لئے جم کر جدوجہد کرے اور کسی فائدہ کا لالچ یا کسی نقصان کا خوف اسے اس مقصد کی راہ سے نہ ہٹا سکے۔ ان کے بعد ان افراد کو ملا کر ایک جماعت بنا دیا تاکہ افراد میں جو کچھ کمزوریاں باقی رہ جائیں، جماعت کی طاقت ان کو دور کرے اجتماعی ماحول ایسا بن جائے جس میں نیکیاں پرورش پائیں، افراد اپنے مقصد حیات کی تکمیل میں ایک دوسرے کے مددگار ہوں، اس تعمیر کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی ماہر فن انجینئر اینٹوں کے ڈھیر میں سے بہترین اینٹیں چھانٹ لے اور پھر ان کو اس طرح پکائے کہ ایک ایک اینٹ بجائے خود پختہ ہو جائے۔ پھر ان سب کو نہایت عمدہ سیمنٹ سے جوڑ کر ایک مستحکم عمارت بنا دے۔

تنظیم نبوی کے بڑے بڑے اصول

اوپر کے بیانات سے ظاہر ہے کہ رسولی تنظیم کے بڑے بڑے اصول یہ تھے :-

۱۔ جماعت کے تمام افراد کم از کم دین کے جوہر سے واقف ہوں تاکہ وہ کفر اور اسلام میں تمیز کر کے اسلامی کے طریقہ پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں۔

۲۔ اجتماعی عبادات کے ذریعہ سے افراد میں اخوت، مساوات اور تعاون

کی اسپرٹ پیدا کی جائے۔

۳۔ جماعت کے تمدن و معاشرت میں ایسے امتیازی خصائص اور حدود مقرر کئے جائیں جن سے وہ دوسری قوموں میں خلط ملط نہ ہو سکیں اور باطنی وظاہری دونو حیثیتوں سے ایک الگ قوم بنے رہیں۔ اسی لئے تشبہ بالاجانب (دوسری قوموں کی مشابہت اختیار کرنے) کی سختی کے ساتھ ممانعت کی گئی۔

۴۔ (مسلمانوں کے تمام کرۂ ہوائی) پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھایا رہے تاکہ جماعت کے دائرہ میں کوئی انحراف اور کوئی بغاوت راہ نہ پاسکے۔

۵۔ پوری مسلمان قوم ایک انجمن ہو اور ہر مسلمان مرد اور عورت کو مجرد اسلامی حق کی بناپر اس کی رکنیت کا مساویانہ مرتبہ حاصل ہو۔ ایسے تمام انتسابات اور امتیازات کو مٹا دیا جائے جو مسلم اور مسلم میں تفریق کرتے ہوں۔

۶۔ جماعت کے تمام افراد ایک نصب العین پر متحد ہوں اور اس کے لئے جدوجہد اور قربانی کرنے کا جذبہ موجود ہو، ایک گروہ صرف اسی نصب العین کی خدمت کے لئے وقف رہے اور بقیہ افراد جماعت اپنی معاش کے لئے جدوجہد کرنے کے ساتھ ساتھ پہلے گروہ کی ہر ممکن طریقہ سے مدد کرتے رہیں۔ غرض ہر فرد جماعت کے دل میں یہ خیال بیٹھا ہوا ہو کہ اس کی زندگی محض اس کی اپنی ذات کے لئے نہیں ہے بلکہ اسی ایک قومی نصب العین کے لئے تیار ہے۔

تنظیم کے یہی اصول تھے جن سے وہ زبردست جماعت پیدا ہوئی جو دیکھتے دیکھتے آدھی دنیا پر چھا گئی، اس طریق تنظیم کی رفتار ابتدا میں بہت سست تھی، حتیٰ کہ پندرہ برس تک وہ چند سینکڑوں سے زیادہ افراد کو اپنے دائرہ میں نہ لا سکی مگر چونکہ اس میں یہ قاعدہ مدنظر رکھا گیا تھا کہ توسیع کے ساتھ ساتھ استحکام بھی ہوتا رہے اس لئے یہ نظام

جماعت جتنا پھیلتا گیا اتنا ہی مضبوط ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ جب ایک کافی جماعت اس طریق پر منظم ہوگئی تو وہ اتنی طاقت کے ساتھ اٹھی کہ دنیا کی کوئی چیز اس کے سیل رواں کو نہ روک سکی۔ قرآن مجید میں اس کی چھوٹی سی ابتدا پھر تدریجی ترقی، پھر غیر معمولی شان و شوکت کے ساتھ اس کے ظہور کو کیسے بلیغ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْأَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ۔

مسلمان قوم کے مزاج کے ساتھ یہی طریق تنظیم مناسبت رکھتا ہے۔ یہ قوم تو پہلے ہی سے ایک جمعیت ہے، اس جمعیت کے اندر کوئی الگ جمعیت الگ نام سے بنانا اور مسلمان اور مسلمان کے درمیان کسی وردی، یا کسی ظاہری علامت یا کسی خاص نام یا کسی خاص مسلک سے فرق و امتیاز پیدا کرنا اور مسلمانوں کو مختلف پارٹیوں میں تقسیم کرکے ان کے اندر جماعتوں اور فرقوں کی عصبیتیں پیدا کرنا دراصل مسلمانوں کو مضبوط کرنا نہیں بلکہ ان کو اور کمزور کرنا ہے۔ یہ تنظیم نہیں تفرقہ پردازی اور گروہ بندی ہے، لوگوں نے آنکھیں بند کرکے جمعیت سازی کے یہ طریقے اہل مغرب سے لئے ہیں، مگر ان کو معلوم نہیں ہے کہ جو چیزیں دوسری قوموں کے مزاج کو موافق آتی ہیں، وہ مسلمان قوم کے مزاج کو موافق نہیں آتیں۔ اس قوم کو اگر کوئی چیز راس آسکتی ہے تو وہ ایک جمہوری تحریک ہے جو پوری قوم کو ایک انجمن سمجھ کر شروع کی جائے اور جس میں توسیع و استحکام کے اسی تناسب کو ملحوظ رکھا جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملحوظ رکھا تھا۔ آپ اگر کچے اور کمزور مسالے لے کر ریت کی سطح پر ایک بڑی عمارت کھڑی کردیں گے اور اس سے قلعے کا کام لینا چاہیں گے تو لامحالہ وہ سیل حوادث کی ایک ٹکر بھی نہ جھیل سکے گی۔

تنظیم ملت کا پروگرام

(از عبد المجید قریشی)

ایک ہرا بھرا درخت تھا۔ اس کے پتے اور پھل پھول یکے بعد دیگرے خشک ہونے شروع ہو گئے۔ باغبان پانی کا کٹورہ اٹھائے رات دن اس درخت کے اردگرد پھرتا تھا اور جو بھی پتہ یا ٹہنی خشک ہونے لگتے تھے وہاں پر پانی چھڑک دیتا تھا۔ باغبان برابر چھ مہینے تک پتوں اور ٹہنیوں پر پانی چھڑکتا رہا مگر درخت کو ذرا بھی تازگی نصیب نہ ہوئی اور اس کے ہزار ہا پھل اور پھول مرجھا مرجھا کر پیوند زمین ہو گئے۔ اب ایک دانا آدمی وہاں سے گزرا اور کہنے لگا، میاں باغبان! تم سو سال بھی درخت کے پتوں پر پانی چھڑکو گے تو یہ درخت ہرا نہیں ہوگا۔ اس کی جڑ کو پانی دو اور پتوں کا فکر چھوڑ دو جڑ کی تازگی کے بعد یہ سارا درخت تازہ ہو جائے گا، پرانے پتے بھی ہرے ہو جائینگے اور انہی سوکھی ٹہنیوں میں سے نئے پتے بھی نکل آئیں گے۔

یقین کیجئے کہ ملت اسلامیہ کی مثال بھی یہی ہے۔ ہمارے قومی لیڈر اور کارکن، سکولوں، کالجوں، یتیم خانوں، لیگوں، کانفرنسوں اور ریزولیوشنوں میں بہت بری طرح الجھے ہوئے ہیں، حالانکہ اصل مرض یہ ہے کہ ہماری قوم کا قدم، قرآن کی بنیاد اور اسوۂ نبوی کے مرکز سے اکھڑ گیا ہے۔ یقین کیجئے، جب تک کہ مسلمانان ہندوستان، کسی ایک نظام کے ماتحت قرآنی احکام اور نبوی اخلاق کے مطابق عمل و اطاعت کی زندگی شروع نہیں کرتے، ہمارا درخت کبھی ہرا نہیں ہوگا۔ خواہ ہمارے لیڈر اور علماء دس کروڑ سال تک بھی اس درخت کے پتوں اور پتیوں پر پانی کا چھڑکاؤ کرتے رہیں۔ میرا مطلب صرف یہ ہے کہ کوئی ایسا انتظام کرو کہ قوم، براہ راست، قرآن اور سیرت کا مطالعہ کر کے عمل و

اطاعت کی زندگی شروع کردے ۔ اس کے سوا جو کچھ بھی کیا جائیگا ، میں دس ہزار مرتبہ یہ کہونگا کہ وہ سب کچھ ہیچ ہے ۔ اگر تم ملت اسلامیہ کے درخت کو ہرا کرنا مقصود ہے تو اس کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ اس درخت کی جڑوں کو پانی پلاؤ اور اسلام کی اصولی خدمت کرو ۔ اصل سوال صرف یہ ہے کہ اس وقت ہندوستان میں کوئی ایسی تحریک موجود ہے جو جڑ کو پانی دے رہی ہو اور صرف احیاء اسلام کا کام کر رہی ہو ۔ ہاں ! تحریک سیرت کا واحد اور اکلوتا نصب العین یہی ہے ۔ اس تحریک کا امتیازی نشان (ماٹو) لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے ۔ یعنی وہی کلمہ جو ہمارے نبیؐ لائے ۔

سیرت کمیٹی ، منزل مقصود کی حیثیت سے صرف تین چیزیں مسلمانوں کے سامنے پیش کرتی ہے ۔ اوّل یہ کہ وہ قانون زندگی کی حیثیت سے قرآن پاک کو پڑھیں اور سمجھیں اور پر عمل پیرا ہو جائیں ۔ دوم یہ کہ نمونہ عمل کی حیثیت سے وہ سیرت رسول اللہ سے واقف ہوں اور اسکی پیروی کریں ۔ سوم یہ کہ قومی پروگرام کی حیثیت سے وہ ارکان اسلام یعنی کلمہ شہادت ، نماز ، زکوٰۃ ، روزہ اور حج کو اپنے سامنے رکھیں اور انہی کی بنا پر اپنی تمام علیحدگیوں کو ختم کر کے ایک قوم بن جائیں ۔ تحریک سیرت کے وسائل عمل میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جن پر عمل کرنے سے اسلام کا منشاء پورا ہو جاتا ہے ۔ ہمارا پروگرام چھ مستقل اجزاء سے مرکب ہے :-

۱ ۔ **تحریک تبلیغ قرآن** ۔ ایک مستقل پروگرام بنا کر تمام ملک میں مطالعہ قرآن کے حلقے قائم کئے جاتے ہیں جس کے ذریعہ سے ہزارہا مسلمانوں میں قرآن کریم کا علم عام ہو رہا ہے

۲ ۔ **تحریک تبلیغ سیرت** ۔ اس تحریک کے ذریعہ سے ہر زبان میں اور دنیا کے ہر گوشے میں نوع انسان کو رسولؐ اللہ کی اخلاقی اور عملی زندگی کا نقشہ حفظ کرایا جا رہا ہے تاکہ تمام اولاد آدم کو نبی آخر الزمان کے سانچے میں ڈھالا جائے ۔

۳ ۔ ہمارے پروگرام کا تیسرا مستقل جزو یہ ہے کہ تمام ملک کی سیرت کمیٹیاں اپنے

اپنے شہر میں کلمۂ شہادت، نماز، زکوٰۃ، رمضان اور حج کو ہر وقت پیش نظر رکھکر انہی پانچ بنیادوں پر اپنی عملی سرگرمیوں کو مستقل طور پر جاری رکھیں۔ مثلاً کلمۂ شہادت کے حقوق اور اسپرٹ کی تلقین ...... کرکے مسلمانوں کے ایمان اور اخوت کو زندہ کریں۔ نمازیوں کی تعداد بڑھاکر اور نماز کا مفہوم سمجھاکر مسلمانوں کی محلہ وار جمعیتوں کو قائم کردیں۔ بیت المال بناکر اور زکوٰۃ، صدقات اور خیرات کی تنظیم کرکے مسلمانوں کی مالی زندگی کو اپنے قدموں پر کھڑا کردیں۔ روزہ داری کے صحیح مقاصد کی تبلیغ کرکے مسلمانوں میں پرہیزگاری، پاکدامنی، ہمدردی انقلاب انگیزی اور سپاہیانہ زندگی کی شان پیدا کریں۔ مسلمانوں کو حج کی ترغیب دے کر انہیں دماغی وسعت، تجربہ کاری اور بری اور بحری سیاحت کے فوائد کی رغبت دلائیں اور قوم کی زندگی کے بین الاقوامی پہلو کی تکمیل کا سامان بہم پہنچائیں۔

۴۔ ہمارے پروگرام کا چوتھا مستقل جزو یہ ہے کہ ہر ایک شہر میں چار مستقل سالانہ جلسے کئے جائیں۔ ۱۲ ربیع الاول کو جلسۂ سیرت۔ ۱۷ رمضان کو جلسہ یوم جہاد۔ محرم میں جلسۂ شہادت۔ ۱۵ شعبان کو جلسہ توحید و اتحاد۔ اسی طرح جمعۃ الوداع اور عیدین پر یہ کوشش کی جاتی ہے کہ تمام ملک میں ایک ہی خطبات پڑھے جائیں اور برائے نام قیمت پر ہر تعلیمیافتہ مسلمان تک پہنچائے جائیں، ان شرعی یا تاریخی تقریبات پر جلسوں کے انعقاد کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کا پبلک احساس مردہ نہ ہو اور اسلامی تاریخ کی روشنی میں سال بھر تک ان کا جوش عمل تازہ رہے

۵۔ ہمارے پروگرام کا پانچواں جزو "وحدت خطبات جمعہ" ہے۔ اس تحریک کا مقصد یہ ہے کہ جمعہ کے ہفتہ وار اجتماعوں میں سری نگر سے راس کماری تک ہر جگہ ایک ہی متحدہ آسان اور وقت کے مطابق اُردو خطبات سناکر، پوری کی پوری قوم کو ایک ہی بیداری و ہم آہنگی، ایک ہی عمل و خیال اور ایک ہی زبان اور پروگرام پر جمع ہونے کا امکان پیدا کردیا جائے۔

۶۔ ہمارے پروگرام کا چھٹا مستقل جزو یہ ہے کہ ہر ایک شہر میں تحریک سیرت کے

ممبر بنا کر اجرائے کار کے لئے ایک باقاعدہ سیرت کمیٹی بنادی جائے، اسی سلسلے میں ہر ایک ممبر سیرت کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ ہر پندرھویں دن ایک آنہ دے کر اخبار ایمان خریدے۔ اس انتظام سے دو چیزیں مقصود ہیں۔ ایک لازمی اخبار بینی تاکہ ممبران سیرت کمیٹی، وقتی فرائض، حالات زمانہ اور نظام سیرت کی رفتار اور ضروریات سے واقف رہیں دوم لازمی مجلس شوریٰ۔ تاکہ ہر ایک شہر کے مسلمان مشورہ کر کے اپنی اسلامی زندگی کی تعمیر کریں۔ نظام سیرت کی طاقت، اثر اور وسعت کے متعلق یہ عرض کر دینا کافی ہوگا کہ ہندوستان اور غیر ممالک کے پانچ سو شہروں میں سیرت کمیٹیاں موجود ہیں۔ چار ہزار جامع مسجدوں میں مرکزی سیرت کمیٹی کے خطبات جمعہ سنائے جا رہے ہیں۔ کمیٹی کے سرمایۂ محفوظ میں دس ہزار روپیہ نقد موجود ہے۔ کمیٹی کی رہنمائی، تمام کرۂ ارض کے جلسہ ہائے سیرت پر حاوی ہے اور ہزار ہا عیدگاہوں میں کمیٹی کے خطبات عید پڑھے جاتے ہیں۔ اس سرو سامان کے بعد ہر ایک مسلمان سمجھ سکتا ہے کہ اگر دردمند مسلمان صحیح گرمجوشی کے ساتھ امداد کے لئے آمادہ ہو جائیں تو برس چھ ماہ ہی کی متحدہ کوششوں سے اس نظام کو اس قابل بنایا جا سکتا ہے کہ وہ تمام قوم کو منظم کر کے عمل و جہاد کے میدان میں صف بستہ لا کر کھڑا کر دے۔ اس لئے کہ جب مسلمانوں میں اصل اسلام زندہ ہو گیا تو خدا کی رحمتوں کا پورے کا پورا سلسلہ انہیں از خود حاصل ہو جائیگا۔

نظامِ سیرت کو احیاء اسلام اور تنظیم ملت کا ذریعہ بنانے کے لئے پہلا کام یہ ہے کہ ہندوستان کے ہر ضلع ہر تحصیل اور ہر قصبہ و قریہ میں سیرت کمیٹیاں قائم کی جائیں اور یہ کمیٹیاں مذکورہ بالا پروگرام کے حصّوں اجزا و اپنے شہر میں جاری کریں۔ اسکے دو نتیجے ہونگے۔ ایک یہ کہ تمام اسلامی ہندوستان میں ایک نظام کے ماتحت، اسلام پر براہ راست عمل کرنے کی تحریک شروع ہو جائیگی، دوم یہ کہ اخبار ایمان کی اشاعت ہزاروں کی بجائے لاکھوں تک پہنچ جائیگی اور قوم کی آواز ایک ہو جائے گی۔ دوسرا کام یہ ہے کہ پشاور سے راس کماری تک تمام ملک

کی جامع مسجدوں میں سیرت کمیٹی کے خطبات سنانے کا انتظام کیا جائے جس کی عملی صورت یہ ہے کہ ہر جامع مسجد سے آٹھ آنے فی مسجد وصول کر کے مرکزی سیرت کمیٹی کو بھیج دیئے جائیں، وہ اس رقم میں سال کے ۵۲ جمعوں کے لئے قسط وار کل ۵۲ خطبے بھیجتی رہے گی - ان خطبوں کو تاریخ وار جامع مسجدوں میں سنایا جائے - تیسرا کام یہ ہے کہ ہر ایک شہر میں نماز کی تحریک شروع کی جائے اور تین تین مہینے کی مدت مقرر کر کے یہ کوشش کی جائے کہ اس عرصے میں تمام مسلمانوں کو نماز باجماعت کا پابند بنا دیا جائے - نماز سکھانے کے لئے معلم مقرر کئے جائیں اور اس سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ مسلمانوں کو نماز کا مقصد اور مطالب سمجھایا جائے تاکہ ان کے اعمال و اخلاق سچے نمازیوں کی مانند بن جائیں - چوتھا کام یہ ہے کہ ہر ایک شہر میں اسلامی خزانوں کی بنیاد رکھی جائے اور بیت المال بنایا جائے اور ایک ایک محلہ کے مسلمانوں کو اس امر کے لئے آمادہ کیا جائے کہ وہ زکوٰۃ و صدقات کا تمام روپیہ بیت المال میں جمع کرائیں اور پھر بیت المال کے ذریعہ سے قوم کو باکار بنایا جائے اور ساہوکاروں کے پنجے سے چھڑا کر ان کی مالی زندگی کو اپنے قدموں پر کھڑا کر دیا جائے - مختصر یہ کہ ہر ایک شہر میں ایک طرف مطالعہ قرآن اور سیرت کے حلقے قائم کئے جائیں - دوسری طرف سیرت کمیٹیوں کے ممبر اخبار ایمان پڑھیں اور ضرورت وقت سے آگاہ ہو کر مشورہ باہمی سے اسلامی تعلیمات کی اشاعت شروع کریں، اور تیسری طرف قوم کے عوام کو ایک ہی خطبات جمعہ سنا کر ایک عمل واحد پر جمع کیا جائے اور چوتھی طرف بیت المال کی امداد سے قوم کی بیکاری اور مالی پستی کا علاج کیا جائے - اگر ہندوستان کے ہر ایک شہر اور گاؤں میں ان چاروں پہلوؤں سے تنظیم ملت اور احیاء اسلام کا کام شروع کر دیا گیا تو کامیابی یقینی ہے (انشاءاللہ) سیرت کمیٹی بنانے کے مفصل قواعد و ضوابط پتہ ذیل سے طلب کریں -

(سکرٹری سیرت کمیٹی پٹی، ضلع لاہور)

(ثنائی برقی پریس ہال بازار امرتسر ——— پرنٹر و پبلشر محمد اقبال پٹی - ایڈیٹر عبد المجید قرشی)

بیحد ضروری

سیرت کمیٹی پٹی کی تاریخی خدمات

خاص اعلان

۱۹۲۹ء میں ۲۴ روپے سے کتابوں کی ایک دکان کھولی گئی تاکہ چندہ مانگنے کی بجائے تجارتی منافع سے خدمتِ اسلام کی جائے۔ اس طریقے سے جو جو اسلامی ضرورتیں پوری ہوئیں، اُن کا خلاصہ یہ ہے :-

۱- مسلمان اپنے نبی پاک کے حالات سے ناواقف اور غیر مسلم بدگمانیوں کا شکار تھے۔ اس کیلئے تمام کرۂ زمین میں جلسہ ہائے سیرت کا نظام قائم کیا۔ سات بیرونی ممالک میں مبلغ بھیجے۔ ۲۱ لاکھ کتب سیرت ۲۵ زبانوں میں شائع کرکے مفت تقسیم کرائیں۔ مختلف ملکوں میں ۳۵۰ تبلیغی مراکز قائم کئے۔ اس انتظام سے ہر گوشۂ عالم میں ہمارے نبی پاک کی عزت اور صداقت کا پیغام کروڑوں انسانوں تک پہنچ رہا ہے ❊

۲- ہندوستان کے بیشمار دیہات میں تبلیغی انتظام نہ ہونے کے سبب ہر وقت ارتداد کا خطرہ رہتا تھا۔ اس کیلئے ہزارہا دیہاتی مساجد میں جمعہ کے دن اردو وعظ سنانے کا انتظام کیا۔ سات ہزار مسجدوں میں ایک لاکھ اُردو خطبات کی کتابیں بھیجیں اس وقت برابر تین ہزار مسجدوں میں سیرت کمیٹی کے ارسال کردہ خطبات سنائے جارہے ہیں۔ سیرت کمیٹی کا یہ تنہا کام، تین ہزار تنخواہ دار مبلغوں کے ہم پلہ ہے ❊

۳- دو ہزار مسلمانوں کے حلقے بنواکر مطالعہ قرآن کیلئے ڈھائی لاکھ قرآنی لیکچر بھیجے۔ اور اب درس قرآن کی اسکیم جاری کی گئی ہے جس سے ۸۰ ہزار مسلمانوں کو روزانہ ایک ایک آیت کا ترجمہ اور تفسیر یاد کرائے جارہے ہیں۔ اس اسکیم کا کل خرچ دس ہزار روپیہ سالانہ ہے جسمیں سے ۸ ہزار فیس وصول ہوگی اور ۲ ہزار کا نقصان سیرت کمیٹی پورا کریگی ❊

۴- متفرق خدمات ناقابلِ شمار ہیں ۳ ہزار روپیہ مظلومین فلسطین کو جمع کرکے بھیجا۔ نومسلم ہوم کیلئے پانصد ایکڑ اراضی وقف کرائی۔ نظام سلور جوبلی کا سپاسنامہ ۲۵ زبانوں میں نشر کرایا۔ اپنے ذاتی فنڈ سے دس ہزار روپیہ نقد تبلیغِ اسلام کیلئے وقف کیا۔ صرف ۱۹۳۸ء میں اسلامی کاموں میں جو نقد عطیات دیئے گئے، وہ ڈھائی ہزار روپیہ ہیں

برادرانِ اسلام! اگر سیرت کمیٹی نے واقعی کام کیا ہے تو آپ بھی اپنا فرض پورا کریں۔ امداد کی صورتیں صرف تین ہیں (۱) آپ قواعد سیرت مفت منگوا کر اپنے شہر یا وارڈ میں سیرت کمیٹی بنائیں (۲) دو روپیہ کا منی آرڈر بھیج کر سالانہ اخبار "ایمان" یا ۲۳ کتب کا سٹ خریدیں (۳) کم سے کم یہ کہ ہر خیدرھویں دن ایک آنہ دیکر اخبار ایمان خرید لیا کریں میں یقین دلاتا ہوں کہ آپکی صرف اتنی امداد سے حیرت انگیز نتائج پیدا ہونگے ❊ وَبِاللہِ التَّوفِیق

قاضی عبدالمجید قریشی سیکرٹری سیرت کمیٹی پٹی ضلع لاہور

R, L. No. 2746.

دو (۲) روپے میں عظیم الشان اسلامی کتب خانے

مشرق و مغرب کے ۲۳ جلیل القدر عالموں کی شاندار تصانیف

سیرت کمیٹی کی جملہ کتابیں — گیارہ سو صفحے حجم — دین و دنیا کی برکات کا مجموعہ

آپ مرکزی سیرت کمیٹی پٹی ضلع لاہور کی ۲۳ کتابوں کا پورا سٹ ضرور منگوائیں۔ ایک مسلمان کو اسلام کی حقیقت، دنیائے اسلام کی حالت اور مسلمانانِ ہندوستان کے حال اور مآل کو سمجھنے کے لئے جس قدر بھی کتابوں کی ضرورت ہے، وہ ساری کتابیں ان ۲۳ کتابوں میں آجاتی ہیں۔ ان میں دس قرآنی لیکچر بھی شامل ہیں جو قرآن کو سمجھنے کی کنجی ہیں اور جن کی سلطان ابن سعود، امام یمن اور شیخ جامعہ ازہر تک نے حد سے زیادہ تعریف و توصیف کی ہے۔ انہی ۲۳ کتابوں میں سیرت نبوی کے بےمثال رسائل بھی ہیں، فلسفہ دین اور تاریخ اسلام کی موثر ترین کتابیں بھی ہیں۔ جمعہ اور عیدین کے انقلابی خطبات بھی ہیں ہندوستان کی موجودہ سیاسی کشمکش اور اسلامی ممالک کے تازہ ترین سیاسی انقلابات کی کتابیں بھی ہیں۔ اور لیگ اور کانگرس کی جنگِ عظیم اور شہادتِ کربلا کی پوری اور مکمل تاریخ بھی ہے۔ مختصر یہ کہ یہ ۲۳ کتابیں اسلام اور تاریخ اسلام کے پورے کتب خانے کا نچوڑ ہیں اور پھر لطف یہ ہے کہ ان کے لکھنے میں مشرق اور مغرب کے ۲۳ بڑے بڑے عالموں اور فاضلوں نے اپنے علم اور قلم کا پورا زور صرف کیا ہے۔ آپ ان کتابوں میں علامہ امیر شکیب ارسلان شامی، امام سید رضا مصری، سید امین الحسینی مفتی اعظم فلسطین، لارڈ ہیڈلے فاروق، ڈاکٹر خالد شیلڈرک، نواب بہادر یار جنگ بہادر مولانا سید سلیمان ندوی اور دس ہندو فضلاء کو ایک مجلس میں جلوہ فرما دیکھیں گے۔ گیارہ سو صفحے حجم ہے۔ آپ صرف دو روپے کا منی آرڈر بھیج کر یہ پورا اسلامی کتب خانہ حاصل کر لیں۔ ان کے مطالعہ سے آپ کے ایمان و عقل اور سیاسی قابلیت میں بےحد ترقی ہوگی وی پی منگوانے کا خرچ ۱۲؎۔ بہتر صورت یہ ہے کہ اپنی مقامی سیرت کمیٹی کو دو روپے دے کر پورا سٹ حاصل کر لیں + (سکرٹری سیرت کمیٹی پٹی، ضلع لاہور)

Secretary,

Seerit Committee Patti, (*Distt: Lahore.*)